داستانِ محبت

سارہ قیوم

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

داستانِ محبت

سارہ قیوم

داستانِ محبت

کتابی شکل مشن: پاکستانی پوائنٹ کمپوزنگ ٹیم

پاکستانی پوائنٹ کوئی تجارتی ویب سائٹ نہیں ہے یہاں پر موجود ناولز بالکل مفت ہیں۔اس مشن کا مقصد صرف اردو ادب کی خدمت کرنا ہے تاکہ جو لوگ وطن سے دور ہیں اور اردو کتب حاصل نہیں کر سکتے، وہ یہاں سے ڈاؤنلوڈ کر لیں۔اگر آپ اردو لکھنا جانتے ہیں تو آپ بھی روزکا ایک صفحہ کمپوز کر کے اس مشن کا حصہ بن سکتے ہیں۔مزید معلومات کے لئے،

سپر موڈز: صبا گل، تتلی، ٹیم لیڈر: ایم وائے صائم، مینجمنٹ: حسیب یا وقار سے رابطہ کریں، شکریہ

عطیہ کی آنکھ کھلی تو ان کے دل کی دھڑکن اس قدر تیز تھی کہ سانس لینے میں بھی دشواری ہورہی تھی۔کیسا عجیب خواب دیکھا تھا انہوں نے؟ زنیرہ نے اُٹھ کر پانی پیا۔اس کے حلق میں کانٹے پڑرہے تھے۔اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا فون اٹھا کر وقت دیکھا، ساڑھے تین بجے تھے، وہ جانتی تھی وہ اب نہیں سو پائے گی۔

☆...☆...☆

ثنا نے ساتھ سوئی ہوئی مریم پر ایک نظر ڈالی اور دبے پاؤں بستر سے اُتر گئی۔ساری رات اس نے سوتے جاگتے گزاری تھی۔کیسی عجیب سی کیفیت تھی۔پیٹ میں اینٹھن سی تھی۔رہ رہ کر نیند سے آنکھ کھل رہی تھی۔وہ کھڑکی میں کھڑی ہوگئی اور ایبٹ آباد کی خوب صورت فضا میں سورج طلوع ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

☆...☆...☆

فیصل نے صُبحِ کاذب کا ہلکا سا اجالا افق پر پھیلتے دیکھا، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔وہ زیرِ لب گنگنانے لگا۔

"بڑی غلطی کی عادل کو منگنی کے بغیر امریکا بھیج دیا۔" دو سال ہو گئے شادی پر زور دیتے، کسی طرح ہاتھ نہیں آتا یہ لڑکا۔"دادی نے مایوسی سے سر ہلا کر کہا۔

"اور جو ہاتھ آنے کو دل وجان سے تیار ہے ، اسے آپ لوگ لفٹ نہیں کراتے۔" فیصل کونے سے بولا۔

"چپ کر۔"" بوٹ پالش کر تو اپنے ، بڑوں کی باتوں میں دخل نہیں دیتے۔"دادی نے جھڑکا۔" ایک تو اللہ گھر میں سب سے چھوٹا کسی کو نہ کرے" جتنے مرضی بڑے ہو جاؤ ، رہوگے چھوٹے ہی۔" و ہ سر جھٹک کر بڑبڑایا۔

"اے عطیہ! "ذرا پتا تو کر، کسی گوری کے ساتھ شادی تو نہیں کر بیٹھا؟"

"نہیں اماں میں تو اس پر بھی راضی ہوں وہ کہے تو سہی مگر وہ تو شادی کا نام ہی نہیں سننا چاہتا۔"

"شادی کا نام نہیں سننا چاہتا؟" دادی حیران پریشان ہو کر بولیں۔انہوں نے مڑ کر ایک نظر فیصل کو دیکھا اور آگے جھک کر رازداری سے سرگوشی میں بولیں:

"میں نے سنا ہے وہاں لڑکے لڑکیاں بغیر شادی کے ہی اکھٹے رہنا شروع ہو جاتے ہیں؟"

"نہیں دادی میں نے پتا کروایا ہے، ابھی اکیلا ہی رہ رہا ہے وہ وہاں۔" فیصل کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کونے سے بولا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

"آئے ہائے در فٹے منہ۔کتنے تیز ہیں اس لڑکے کے کان بے شرم۔" دادی گڑبڑ اکر بولیں۔

فیصل نے اپنے جوتے دیوار کے ساتھ رکھے اور ہاتھ جھاڑ کر دادی کے پاس آبیٹھا:

"دادی عادل کسی ایسی ویسی لڑکی سے شادی نہیں کرے گا۔"

"تو کیسی لڑکی سے شادی کرے گا؟ ہمیں بتا دے ہم ڈھونڈ دیتے ہیں۔"

"آپ نہیں ڈھونڈ سکتیں۔"

"کیوں؟" اتنی اچھی لڑکیاں ہیں میرے جاننے والوں میں، وہ بتائے تو سہی اسے کیسی چاہیے، گھریلو، ڈاکٹر یا انجینئر۔"

"ہاں اماں عادل انجینئر ہے تو اس کے ساتھ انجینئر ہی سوٹ کرے گی۔جیسے ڈاکٹر کے ساتھ ڈاکٹر۔" عطیہ فوراً بولیں۔

"اور گھریلو کے ساتھ گھریلو۔"فیصل نے لقمہ دیا۔

"چپ کر ہاں تو وہ اپنے نعمان کی بیٹی ہے نا۔انجینئر بن رہی ہے بڑی لائق ہے۔"

"ارے دادی اسے تو ڈھنگ کی چائے بھی نہیں بنانی آتی۔اس کا آپ دو سگھڑ خواتین کے ساتھ گزارا کیسے ہو گا جن کی زندگی کھانے پکانے کے گرد گھومتی ہے۔ فیصل نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

"ہیں اچھا؟ کھانا نہیں پکانا آتا اس کو ؟ ویسے تو بڑی لائق ہے۔دادی نے ہاتھ منہ پر رکھتے ہوئے کہا۔

انجینئرنگ میں لائق ہے نا، اس کا کھانے پکانے سے کیا تعلق؟ لوگ پوچھیں گی آج بہو نے کیا پکایا ؟ امی کہیں گی نٹ بولٹ۔فیصل نے ہنس کر کہا۔

دادی سوچ میں پڑگئیں۔فیصل نے دادی کے کندھوں پر بازو پھیلا یا اور بڑے لاڈ سے کہا: دادی کیوں فکر کرتی ہیں؟ میں نے عادل کے لیے بڑا اچھا رشتہ ڈھونڈا ہے۔

تو نے کہاں سے ڈھونڈا ہے ؟ دادی نے اسے گھور کر دیکھا۔

اخبار کے اشتہار سے۔بہت بڑے بزنس کی مالک، قبول صورت، پابند صوم و صلوٰۃ، بیوہ بانجھ چار بچوں کی ماں۔

دادی جو بہت غور سے اُس کی بات سُن رہی تھیں، آخری جملہ سُن کر گڑبڑا گئیں۔ عطیہ ہنسنے لگیں، دادی نے جھک کر اپنی چپل اٹھا لی۔

ٹھہر میں تجھے بتاتی ہوں۔بیوہ بانجھ کا کچھ لگتا۔

ابھی بانجھ ہے تو چار بچوں کی ماں ہے ، پتا نہیں ٹھیک ہوتی تو کیا ہوتا۔عطیہ نے ہنستے ہوئے کہا:

دادی کی ہنسی نکل گئی۔فیصل نے چپل ان کے ہاتھ سے لے کر پھینک دی اور ہاتھ بڑھا کر فون اٹھا لیا۔

یہ لیں دادی آج آر یا پار۔پوچھیں عادل سے اور آج فیصلہ کر کے اٹھیں۔اس نے نمبر ڈائل کر کے دادی کو پکڑا دیا۔

ہیلو عادل! کیسا ہے بیٹا؟ دادی نے پیار سے کہا۔

ٹھیک ہوں دادی۔آپ کیسی ہیں؟

میں ٹھیک ہوں، رشتہ طے کرنے لگی ہوں تیرا۔

اوہ فار گاڈ سیک! دادی میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔وہ بے زاری سے بولا۔

کیوں نہیں کرنا چاہتا؟ دادی نے ڈپٹ کر پوچھا۔

ہاں ہاں پوچھیں اس سے کیوں نہیں کرنا چاہتا؟ فیصل نے دادی کو شہ دی۔

میری مرضی! عادل نے اکتا کر کہا۔

دادی اس سے پوچھیں کہاسے کوئی مسئلہ تو نہیں۔ساتھ بیٹھے فیصل نے کہنی مار کر دادی کو کہا۔

عادل! سُن بیٹا تجھے کوئی مسئلہ تو نہیں ہے ؟ دادی نے معصومیت سے پوچھا۔

عطیہ نے ہاتھ میں پکڑی دھاگے کی نلکی فیصل کو دے ماری۔

دادی آپ سے یہ باتیں کون کر رہا ہے؟ عادل دانت پیس کر بولا:

فیصل پوچھ رہا ہے۔دادی نے صفائی دی۔

دادی آپ کو شادی کرانے کا شوق ہے ناں؟ آپ فیصل کی کرادیں۔ مجھے ذرا کام ہے، میں چلتا ہوں۔خداحافظ۔عادل نے رکھائی سے کہا۔دادی سنو سنو کرتی رہ گئیں۔

صبح صبح ثنا کی آنکھ ڈرم کی کان پھاڑ دینے والی تیز آواز سے کھلی۔اس نے دوبارہ سونے کی کوشش کی مگر ڈرم اور بھی اونچی آواز میں بجنے لگا۔اب سونا ناممکن تھا۔ اس نے اٹھ کھڑکی کی پردے ہٹائے باہر جھانکا۔باہر ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔گھر کے پچھلی دیوار کے دوسری طرف اسے ڈھیروں ڈھیر درخت نظر آئے۔جانے جنگل تھا یا کوئی باغ، نیم اندھیرے میں کچھ ٹھیک سے پتا نہ چلتا تھا۔پچھلے لان میں شیشے کی دیواروں والا سن روم تھا اور اس کے پیچھے بھی اونچے اونچے درخت نظر آرہے تھے۔

کتنے درخت ہیں یہاں۔ثنا نے خوش ہو کر سوچا۔درخت ہوں، پرندے نہ ہوں، یہ تو ممکن نہیں۔پرندوں کی ایسی ایسی چہچہاہٹ گونج رہی تھی جو ثنا نے پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ ادھر ڈرم تھا کہ مستقل بجے جارہا تھا۔یوں لگتا تھا کوئی دیوار کے باہر کھڑا ڈھما ڈھم کا راگ الاپ رہا ہو۔ثنا نے مریم پر نظر ڈالی۔مریم کے بارے میں امی

اکثر کہتی تھیں کہ اس کی نیند اس قدر گہری ہے کہ کوئی اس کے سرہانے ڈھول بھی بجارہا ہو تو اس کی آنکھ نہ کھلے ،آج واقعی اس کے سرہانے ڈھول بج رہا تھا اور وہ گھوڑے بیچ کر سورہی تھی۔وہ لوگ رات ہی یہاں پہنچے تھے۔لاہور میں چار سال رہنے کے بعد ابو کا تبادلہ ایبٹ آباد ہوا تو گھر میں ملا جلا ردِ عمل ہوا۔امی نے پہاڑی علاقے کی پوسٹنگ آنے پر شکر کا کلمہ بڑھا۔انہیں گرمی بہت لگتی تھی۔مریم کو اپنی پڑھائی کی فکر تھی۔ثنا برف باری دیکھنے کے اشتیاق میں خوش تھی تو چھوٹا علی دوستوں سے بچھڑنے کے خیال سے منہ بسور رہا تھا۔صرف ابو تھے جو غیر جانب دار تھے۔جہاں بھی غمِ روز گار لے جائے۔

ڈرم بجنے میں تیزی آچکی تھی۔مریم نے کسمسانا شروع کر دیا تھا۔ثنا نے دروازہ کھولا اور لاؤنج میں چلی آئی۔وہاں ڈھیروں ڈھیر کارٹن اور سوٹ کیسز کے بیچوں بیچ امی کھڑی تھیں۔

یہ کیا ہورہا ہے امی؟ ثنا نے پوچھا۔

سڑک کے اس پار پریڈ گراؤنڈ ہے ، پریڈ ہورہی ہے۔انہوں نے بتایا۔

اس وقت؟ ابھی تو سورج بھی نہیں نکلا ٹھیک سے۔ثنا نے حیران ہو کر کہا۔

سر! بندے کا پتر بنیں سر، کھوتے کا پتر نہ بنیں۔پریڈ گراؤنڈ سے مائیکروفون میں سے کڑکتی آواز آئی۔

یہ کیسا شور ہے ؟ مریم کی آواز آئی۔آخر کار اس کی نیند نے آوازوں کے حملے کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے۔الجھے بالوں اور نیند سے مندی آنکھوں کے ساتھ وہ دروازے میں کھڑی تھی۔امی نے اسے پریڈ گراؤنڈ کی اطلاع دی۔

یہ کوئی وقت ہے پریڈ کا؟ میں تو سمجھی شاید حملہ ہوگیا ہے ، جنگ چھڑ گئی ہے اور ہمیں جگایا جارہا ہے کہ اٹھو اور محاذ پر چلو۔مریم نے منہ بنا کر کہا۔

ابھی تو یہ محاذ سر کرنا ہے بیٹا۔امی نے لاؤنج میں بکھرے سامان کی طرف اشارہ کیا۔

ہائے امی! رات دو بجے سوئے تھے۔چار بجے اس آفت نے جگا دیا۔مجھ میں توہمت نہیں کچھ بھی کرنے کی۔مریم صوفے پر گر پڑی۔

چلو اچھا ہی ہوا۔ساری پیکنگ کھلنے والی پڑی ہے۔میں تمہیں اٹھاتی رہتی تو نہیں اٹھنا تھا اب اُٹھ گئی ہو تو ناشتہ کر کے کام شروع کرو۔دوپہر میں سو جانا۔امی نے مسکرا کر کہا۔

اونو! مریم نے سر صوفے کی پشت پر پھینک کر ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سر! آپ انسان ہیں یا مری ہوئی مرغی؟ پریڈ گراؤنڈ سے کسی نے ڈپٹ کر پوچھا:
مریم اچھل کر کھڑی ہو گئی۔امی اور ثنا ہنسنے لگیں۔

ایبٹ آباد سے انہیں ایک ہی دن میں اُنس ہو گیا۔ہوا معطر اور صاف تھی، خوب صورت سڑکیں تھیں، جو پہاڑوں ے ساتھ اونچی نیچی بل کھاتی چلی جاتی تھیں۔ سڑک سے ایک لمبی روش بجری سے بھری ہوئی اندر تک چلی جاتی تھی۔جہاں روشنی ختم ہوتی وہاں کالے رنگ کا گیٹ تھا جس کے کناروں پر بیلیں لپٹی تھیں، بہت بڑا سا باغ آگے تھا اور اس سے ذرا ہی چھوٹا پیچھے اگلے باغ میں پھولوں کی کیاریاں اور پھول دار جھاڑیوں کی قطاریں تھیں اور پچھلے لان میں سن روم کے ساتھ املوک ، چیڑ اور گل موہر کے تناور درخت تھے۔ابو کو پھولوں کا شوق تھا۔وہ جہاں جاتے ، گھر کو پھولوں سے بھر دیتے۔یہاں آکر بھی امی اندر کی صفائی ستھرائی اور سیٹنگ میں مشغول ہوئیں اور ابو نے باغ اور بر آمدے کو پھولوں کے گملوں اور بیلوں سے سجادیا۔سُرخ اینٹوں کا گھر، نقرئی ڈھلوان چھت ، پھولوں سے لدا باغ ، ثنا کو یوں لگتا وہ کسی پریوں کی کہانی میں سجے گھر میں رہتی ہے۔اس پریوں کی کہانی والے گھر میں ایک دیو بھی تھا۔پریڈ گراؤنڈ کا چیختا چنگھاڑتا دیو۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یوں تو ابو کی جب بھی پوسٹنگ ہوتی تھی ، وہ لوگ نئے شہر کے کینٹ ہی میں رہتے تھے، مگر پریڈ گراؤنڈ کی ہمسائیگی سے پہلی مرتبہ واسطہ پڑا تھا۔یوں لگتا تھا جیسے سورج اور فوجی شرط باندھ کر نکلتے تھے۔ادھر سورج طلوع ہوتا، اُدھر فوجی نمودار ہوتے۔اوپر سورج کا سفر شروع ہوتا، نیچے فوجیوں کی لیفٹ رائٹ۔دھما دھم ڈرم بجتے۔کبھی کبھی کوئی ترانہ بھی لگا دیا جاتا۔صبح کی نیند تو جو گئی سو گئی ، دوپہر کو ذرا آنکھ لگتی تو پریڈ گراؤنڈ سے للکار آتی:

اے مرد مجاہد جاگ ذرا صوبیدار صاحب جو پریڈ انچارج تھے ، بھونپو منہ سے لگائے قطاریں سیدھی کراتے ، قدم درست کرواتے، پیٹ اندر ،کندھے سیدھے ، سر اونچا اور جو کوئی بے چارہ ان احکام سے ذرا روگردانی کرتا،اسے بڑے ادب سے ڈانٹا جاتا:

سر! بندے کا پتر بنیں سر! کھوتے کا پتر نہ بنیں۔

پہلے دن جب ثنا، مریم اور علی ابو کے ساتھ چہل قدمی کو نکلے تو سورج ڈوب چلا تھا۔ایبٹ آباد کی سہانی شام ، خوش بو سے مہکتی اتر رہی تھی۔پریڈ گراؤنڈ خاموش ہوچکا تھا۔وہ گھر سے نکل کر سڑک پر آئے تو ٹھٹھک کررک گئے۔پریڈ گراؤنڈ سے باہر،سڑک کے کنارے، چھوٹے سے نالے کے پاس ڈھیروں نوجوان گرد میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اٹے بُوٹ اور وردیاں پہنے آڑھے ترچھے پڑے تھے۔قریب جاکر دیکھا تو تقریباً سب کے سب سورہے تھے۔کسی کا سر کسی کے جوتوں پر تھا تو کسی کا دھڑ نالے میں پڑا تھا۔صوبیدار صاحب ہاتھ میں بھونپو لیے جھک کر ان کا معائنہ کررہے تھے ۔ابو کو دیکھا تو سلام کرنے دوڑے آئے، سیلوٹ کیا ہاتھ ملایا۔

یہ یہیں سو گئے؟ ابو نے مُسکرا کر پوچھا۔

یس سر! جوانی اور تھکن بڑی مزے دار چیز ہوتی ہے سر۔صوبیدار صاحب نے موٹی موٹی مونچھوں کے نیچے سے مسکرا کر کہا۔یہ تو ہے۔ابو بھی مسکرائے۔

مریم کو بڑا ترس آیا۔ہائے بے چارے۔اب یہ رات یہیں گزاریں گے؟

نہیں سر! رات تو قبرستان میں گزاریں گے جی۔صوبیدار صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

مریم اور ثنا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا ہیں۔

ہم تو سمجھے یہ سورہے ہیں، یہ مر کیسے گئے؟ ثنا نے سخت پریشان ہو کر پوچھا۔

صوبیدار صاحب پہلے تو حیران ہوئے پھر ہنستے ہوئے کہنے لگے مرے نہیں ہیں جی، آج رات کو مشقوں پر جانا ہے۔پہاڑی چڑھیں گے ، پھر قبرستان میں سوئیں گے۔

کیوں؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

فوجی جو ہوئے۔انہوں نے سینہ تان کر کہا۔

اُف! شکر ہے میں فوجی نہیں۔ثنا نے گھر آکر امی سے کہا۔

پی ایم اے کاکول کے وسیع میس ہال میں رات کے کھانے کی میزیں لگ چکی تھیں ۔آہستہ آہستہ کیڈٹ آتے گئے اور میس بھرتا گیا۔یاسر میس میں آیا تو فیصل چاق و چوبند سا پہلے سے میز پر موجود تھا۔

تو یہاں بیٹھا ہے اور میں تجھے دوسرے کمروں میں ڈھونڈ رہا تھا۔اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

کیوں ؟ فیصل نے پوچھا۔

میں نے سوچا کہیں سویا نہ پڑا ہو۔یاسر نے کہا۔

ہماری نیند ہمارے قابو میں ہے پارٹنر ، ہم نیند کے قابو میں نہیں۔وہ فرضی مونچھوں کو تاؤ دے کر بولا۔

یار ویسے مجھے تیری نیند کی سمجھ نہیں آتی۔عجیب سوئچ کی طرح کی نیند ہے تیری۔ جہاں دل چاہے، جب دل چاہے تو سوئچ آن کر کے سو جاتا ہے اور پھر اس طرح اٹھ بیٹھتا ہے جیسے سویا ہی نہیں۔یاسر نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

کہاں تھا سبحان؟ یا سر نے ان میں سے ایک سے پوچھا۔

یار میں نے سوچا آج رات بہت چلنا پڑے گا ، تھوڑا سولوں آج رات قبرستان میں گزارنی ہے، پتا نہیں وہاں نیند آئے نہ آئے۔اس کی آنکھوں میں نیند بھری تھی۔

مرد بن یار! قبرستان سے ڈرتا ہے؟ فیصل نے قہقہہ لگایا۔

قبرستان سے نہیں بدروحوں سے ڈرتا ہوں۔میرے ابا کو بچپن میں قبرستان میں ایک بدروح چمٹ گئی تھی۔

تبھی ان کے گھر تیرے جیسی اولاد پیدا ہو گئی۔فیصل نے ہنس کر کہا۔

تو بڑا ہیرو بنا پھرتا ہے آج دیکھیں گے تیر ی حالت قبرستان میں۔اس نے چڑ کر کہا۔

یہی بات تو نے مجھے پیرا ٹروپنگ سے پہلے بھی کہی تھی اور یاد ہے سب سے پہلے میں نے ہی چھلانگ لگائی تھی۔فیصل نے کہا۔

وہ اور بات تھی۔اس نے منہ بنایا۔

بات ایک ہی تھی ڈر کی اور تیرے اندر سے ڈر نہیں نکلتا۔آج تو قبرستان کی بدروح سے ڈررہا ہے، تب تجھے ڈر تھا کہ اگر پیرا شوٹ نہ کھلا تو کیا ہو گا۔تجھے اپنی جان کا خوف لگا رہتا ہے۔

یار جان کا خوف فطری چیز ہے۔اس نے معصومانہ انداز میں کہا۔

اگر ایسی خوف زدہ فطرت تھی تو فوج میں کیوں آیا ، کہیں کلرکی کر لیتا۔فیصل نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔میرے ابا کو شوق تھا یار انہوں نے کہا تم پڑھتے لکھتے تو ہو نہیں، ہر وقت کھیل کود میں لگے رہتے ہو تو فوج میں ہی چلے جاؤ۔اس نے منہ لٹکا کر کہا۔

فوج میں ہی چلے جاؤ! اپنے کیرئیر کو option کے طورپر لو گے تو کیپٹن پر ہی ریٹائر ہو جاؤ گے۔فیصل نے ناراض ہو کر کہا۔

اور تو کہاں پہنچ جائے گا؟ چیف آف آرمی سٹاف بن جائے گا؟ سبحان نے چڑ کر پوچھا۔

بالکل بنو ں گا۔اس سے بھی اوپر کچھ ہوا تو وہ بھی بنوں گا انشااللہ۔تم دیکھنا تو سہی۔

☆...☆...☆

کھانے کے بعد پندرہ منٹ کا ریسٹ ٹائم ہوا۔آدھے گھنٹے کے اندر اندر پلٹن چلنے کے لیے تیار گیٹ پر کھڑی تھی۔پہاڑی علاقوں میں رات یوں بھی جلدی اُتر آتی اور ملٹری اکیڈمی میں تو ویسے بھی مقررہ گھنٹے پر بتیاں بند ہو جاتی اور خاموشی چھا جاتی تھی۔

فیصل نے حسبِ عادت اپنا بیگ چیک کیا ، راشن پانی کا جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر اس کے سڑپس کندھوں کے گرد کس لیے۔پلٹن چل پڑی ، سڑکوں سے گزرتے وہ کچے راستے پر اتر آئے۔کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ نیچی پہاڑیوں کے اس سلسلے پر چڑھنے لگے جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔پہاڑی کے دامن سے انہوں نے اس پگڈنڈی پر چڑھنا شروع کیا، جو بل کھاتی اوپر جاتی تھی اور درختوں میں گم ہو جاتی تھی۔جوں جوں اوپر چڑھتے جاتی، جنگل گھنا ہوتا جاتا تھا۔ وہ دو دو کی قطار میں اپنے بھاری بیک پیک اٹھائے وہ اوپر ہی اوپر چڑھتے گئے۔تاریکی بڑھی تو ٹارچیں روشن ہو گئیں۔جنگل کی رات کی اپنی ہی آوازیں تھیں۔دور کہیں گیدڑ بولا۔

یہ گیدڑ کہاں بول رہے ہیں ؟ سبحان نے چونک کر پوچھا۔

قبرستان میں۔فیصل اس کے پیچھے سے بولا۔

نہیں یار! قبرستان میں کیا کر رہا ہے گیدڑ؟ سبحان گھبرا گیا۔

لڈی ڈال رہا ہے کمال کرتا ہے یار تو۔یاسر نے کہا۔

قبروں سے مردے نکال کر کھاتے ہیں گیدڑ۔سبحان آج رات اگر تو سو گیا تو کوئی گیدڑ تجھے بھی مردہ سمجھ کے گھسیٹ لے گا۔فیصل نے بے پروائی سے کہا۔

چل چل! میں کون سا کسی قبر میں سوؤں گا۔سبحان نے منہ بنا کر کہا۔

امی کی گود میں سوئے گا تو للو کہیں کا ، ڈرپوک۔فیصل نے اسے چڑایا۔

تو بڑا بہادر ہے، اتنا ہی جگر ہے توتو سو کر دکھا دے قبر میں۔وہ چڑ کر بولا۔

دکھا دیا تو کیا دے گا ؟ فیصل نے پختہ لہجے میں پوچھا۔

تو کر ہی نہیں سکتا۔

اس کو چھوڑ! تو یہ بتا اگر میں نے قبر میں رات گزار لی تو کیا دے گا ؟

سور وپے! سبحان نے بہت سوچنے کے بعد کہا۔

چل اوئے ! ہزار روپے دے تو بات بھی ہے۔

ڈیڑھ سو۔

نو سو ننانوے۔

بڑی دیر سودے بازی ہوتی رہی۔آخر معاملہ پانچ سو پر طے ہوا۔ارد گرد کے کچھ اور لوگ بھی شامل ہو گئے۔کسی نے اپنے نئے جوتے بدلے ، کسی نے کھانا کھلانے کا وعدہ کیا۔شرط یہ تھی کہ فیصل پوری رات کسی کُھلی قبر میں گزارے گا اور پو پھٹنے سے پہلے باہر نہ آئے گا چاہے وہاں گیدڑ آئیں چاہے سانپ۔

تین گھنٹے کی ہائیک کے بعد قبرستان پہنچے۔گھُپ اندھیرا، ہو کا عالم اور قبرستان کی ہول ناکی۔لیکن جیسا صوبیدار صاحب نے کہا تھا، جوانی اور تھکن بڑی مزے دار

چیز ہوتی ہے۔زندگی ہول ناکیوں میں بھی ہنسی خوشی گزرانے کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ آپ کے پاس جگہ ہو اور کوئی فکر نہ ہو۔قبرستان میں رات گزارنے آنے والی پلٹن کے پاس یہ بہترین فارمولا موجود تھا۔جوانی تھی ، تھکن تھی ، جگر تھا اور بے فکری تھی۔قبروں سے ذرا ہٹ کے ، گورگن کے کمرے کے پاس کُھلے آسمان تلے ڈیرہ لگایا گیا۔آدھی رات کے سناٹے میں ٹھنڈ بھی بڑھ چکی تھی اس لیے الاؤ روشن کیا گیا۔کچھ لوگ اس کے ارد گرد بیٹھ گئے۔کچھ نے چادریں بچھا کر سونے کی تیاری کی اور کچھ چائے بنانے میں مشغول ہوگئے۔

فیصل، سبحان ، یاسر اور شرط لگانے والے چند لڑکے کسی کھلی قبر کی تلاش میں روانہ ہوئے۔آہستہ آہستہ وہ الاؤ اور اس کے پاس بیٹھے لڑکوں سے دور ہوتے گئے۔ قبرستان کا سب سے پیچھے والا کنارہ جہاں گھنے درختوں کی بہتات تھی ، وہاں کا سب سے پرانا اور نظر انداز شدہ حصہ تھا۔یہاں ٹوٹے پھوٹے کتبے، آدھی مسمار شدہ قبروں اور کانٹے دار جھاڑیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ٹارچیں گھماتے گھماتے انہیں ایک ادھ کھلی قبر نظر آئی۔

فیصل نے بیک پیک کندھوں سے اتار دیا۔

فیصل چھوڑ یار! میں نے شرط واپس لی۔آؤ واپس چلیں۔سبحان نے ڈر کر کہا۔

فیصل نے کوئی جواب نہ دیا۔بوتل نکال کر دو تین گھونٹ پانی کے لیے۔بوتل واپس رکھی کیڑے مار لوشن نکال کر چہرے اور ہاتھوں پر ملا۔ٹارچ روشن کر کے پنجوں کے بل قبر کے سرہانے بیٹھ گیا اور اندر کا جائزہ لیا۔اِدھر اُدھر بکھری چند ہڈیوں کے سوا قبر مکمل طور پر خالی تھی۔اس نے اطمینان سے سر ہلایا اور ٹارچ یاسر کو پکڑا دی۔فیصل نے اِدھر اُدھر دیکھ کر ایک اینٹ اٹھائی اور قبر میں اتر گیا۔اس کے سارے ساتھی ٹارچیں ہاتھ میں پکڑے قبر کے ارد گرد کھڑے تھے اور اسے دیکھ رہے تھے۔سبحان کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا ، ایک جارہاتھا۔لگتا تھا ابھی رودے گا۔فیصل نے اینٹ سرہانے رکھی اور مزے سے پوری وردی اور بوٹوں سمیت اس پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔

اس کے ساتھی اب بھی دم بہ خود کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔

بتیاں بجھا دو روشنی میں نیند نہیں آتی مجھے۔فیصل نے آنکھیں موندے مُسکر اکر کہا۔

گورگن کے حجرے کے پاس جلتے الاؤ تک پہنچے پہنچتے سبحان کے پیٹ میں سخت مروڑ اٹھنے لگے۔آخری ایک گز کا فاصلہ اس نے بھاگ کر طے کیا اور لوٹا اُٹھا کر درختوں کے پیچھے دوڑ گیا۔ساری رات اس نے اسی طرح کاٹی۔پلک سے پلک نہ جڑی۔باقی سب لوگ سوگئے تو وہ بے چارہ لوٹا لیے درختوں کے گرد چکر کاٹتا رہا۔ساری رات

روشن رہنے سے اس کی ٹارچ کی بیٹر ی صبح سے پہلے ہی ختم ہوگئی۔ادھر پو پھٹی، ادھر ان کے کیمپ میں ہلچل مچی۔اِدھر اُدھر سے لوگ اٹھنے لگے۔منہ ہاتھ دھونے اور ناشتہ بنانے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔

سبحان نے یاسر کو جھنجھوڑ کر اٹھایا۔یاسر نے اس کا چہرہ دیکھا تو حیران رہ گیا۔

ابے تجھے کیا ہو ا؟ اس نے پوچھا۔

فیصل! سبحان کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔

یاسر ہنسا یہ کس بیماری کا نام ہے؟ لیکن پھر سبحان کی شکل دیکھ کر وہ سنجیدہ ہو گیا۔

ہاں یار، چل اس کا پتا کریں۔کوئی سانپ وانپ ہی نہ کاٹ گیا ہو۔

انہوں نے پچھلی رات ساتھ جانے والے ساتھیوں کو اٹھایا اور قبرستان کے اس حصے کی طرف تیز قدموں سے چل پڑے، جہاں فیصل کو چھوڑ آئے تھے۔جھاڑیاں اور قبریں پھلانگتے وہاں پہنچے۔گھنے درختوں کی وجہ سے وہاں اب بھی نیم اندھیرا تھا۔

فیصل! یاسر نے قبر کے قریب پہنچ کر آواز دی کوئی جواب نہ آیا۔انہوں نے اپنی ٹارچیں روشن کیں اور دل میں ہزاروں وسوسے لیے قبر کے اندر جھانکا۔اندر فیصل اسی طرح لیٹا تھا جس طرح وہ اسے کل چھوڑ گئے تھے۔اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس کے سینے پر ایک چھوٹا سا بلاؤ بیٹھا بہ غور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

فیصل! یاسر نے تشویش سے آواز دی۔مگر فیصل میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔

میرا خیال ہے مر گیا ہے۔ایک لڑکے نے رائے ظاہر کی۔

فیصل! اب کے یاسر چلایا۔

ہاں! فوراً ہی زور دار کڑکتی آواز میں جواب آیا۔فیصل نے آنکھیں کھولیں۔چند لمحے وہ اور ننھا بلاؤ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے پھر فیصل نے ایک ہاتھ مار کر اسے اپنے سینے سے گرادیا۔یاسرنے ہاتھ بڑھایا۔فیصل نے نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر اس کا ہاتھ تھامنے کی بجائے قبر کے کناروں پر ہاتھ رکھ کر اپنے آپ کو اٹھا لیا۔باہر آکر اس نے وردی جھاڑی اور سبحان کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بولا:

نکال میرے پانچ سو روپے

سبحان چند لمحے آنکھیں پھاڑے کھڑا سے دیکھتا رہا، ایسے جیسے کسی بھوت کو دیکھ رہا ہو، پھر یک دم بڑھ کر اس سے لپٹ گیا۔

☆...☆...☆

عادل تم سے ناراض ہے۔زنیرہ نے کیک اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

کیوں میں نے کیا کہا؟ فیصل نے حیران ہو کر پوچھا۔

وہ کہتا ہے تم نے دادی کو اس کی شادی کے بارے میں اُکسایا۔

میں نے کہاں اُکسایا۔۔۔فیصل کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ تم نے دادی کو اس سے فضول سوال پوچھنے کا کہا۔زنیرہ نے بات کاٹی:

اللہ خوش رکھے میرے بھائی کو فضول سوال کے جواب میں اس نے دادی سے کہا کہ آپ فیصل کی شادی کر دیں۔

پہلے بڑے تو ہو جاؤ منے۔پھر شادی بھی کروا لینا زنیرہ نے اس کی ناک مروڑی۔

دیکھیں آپی یہ نہ کہا کریں، چھے فٹ تین انچ قد ہے میرا۔ساڑے اکیس سال کا ہو گیا ہوں۔ابھی بھی آپ مجھے منا کہتی ہیں۔فیصل نے برُا مان کر کہا۔

ساڑھے اکیس سال تم ساڑھے اکانوے سال کے بھی ہو جاؤ گے تو بھی میرے منے ہی رہو گے۔زنیرہ ہنس پڑی۔

کدھر پھنس گیا یار! ادھر والد ہ محترمہ فرماتی ہیں کہ فیصل تیری تو بھنویں بھی سفید ہو جائیں گی ، تب بھی میں تجھے گود میں بٹھا کر ماتھا چوما کروں گی۔ادھر آپی صاحبہ نے منا بنائے رکھنے کی قسم کھا رکھی ہے۔وہ بڑبڑایا۔

اچھا بڑے میاں، نہیں کہتی تمہیں منا مگر بتاؤ آج لاہور جانا ضروری ہے؟ زنیرہ نے پوچھا۔

ہاں بس اسی ویک اینڈ کی چھٹی ہے۔پرسو ں رات واپس آجاؤں گا۔

آج رات میرے پاس رک جاتے۔زنیرہ خاموش ہوگئی۔

نہیں رُک سکتا آپی، امی انتظار کررہی ہوں گی۔اگلی دفعہ آؤں گا تو ضرور رکوں گا آپ کے پاس۔اس نے ہولے سے کہا۔

اس کو خداحافظ کہنے کے بعد زنیرہ اندر آئی تو کتنی دیر لاؤنج میں کھڑی خالی خالی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔اس نے نک سک سے درست کمرے میں پڑے قیمتی کرسٹل لیمپس کو دیکھا۔اپنی جگہ پر جمے خوب صورت پردوں پر نگاہ ڈالی۔پاس پڑے صوفے پر ہاتھ پھیرا جس کی پوشش بے داغ تھی اور سب کشن اپنی جگہ ترتیب سے رکھے تھے۔سب کچھ اسی طرح تھا جیسے کل اور پرسوں تھا، ایک مہینہ پہلے تھا اور ایک سال پہلے تھا۔اس گھر میں بے ترتیبی پھیلانے والا کوئی نہ تھا۔نہ کہیں کوئی ننھا سا جوتا پڑا تھا نہ کہیں کھلونے اوندھے تھے۔فرش پر کسی کے جوتوں کے نشان نہ تھے۔اور نہ ہی کہیں کتابیں، کاپیاں، پنسلیں بکھری ہوئی۔ لاؤنج کی بے روح خوب صورتی سے نظریں چرا کر وہ اپنے بیڈروم میں آئی۔یہاں

کی صفائی ستھرائی دیکھ کر اس کا دل گھبرانے لگا۔اسے لگا وہ عالمِ برزخ میں کھڑی ہے۔خاموش، خالی، بے رحم سی ٹھنڈک جو جسم کو محسوس نہ ہو مگر ہڈیوں میں اتر جائے۔اس نے تیزی سے الماری کھولی ، پرس نکالا ، گہرے رنگ کی لپ اسٹک اٹھا کر لگائی اور تیز قدموں سے باہر نکلی۔بیڈروم کے دروازے سے نکلتے نکلتے وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔اسے خیال آیا کہ جب وہ شام کو واپس آئے گی تو گھر میں اندھیرا ہو گا۔سارا دن ادھر ادھر گھومنے پھرنے ، شاپنگ اور دوستوں سے دل بہلانے کے بعد جب وہ خالی اور اندھیرے گھر میں داخل ہو کر بتیاں روشن کرے گی تو اس کا یہ ڈپریشن پہلے سے دس گنا بڑھ جائے گا۔جس سے وہ اس وقت فرار چاہ رہی ہے۔ اس نے ساری بتیاں جلا دیں۔لاؤنج کا فانوس اور لیمپ روشن کر دیئے۔راستے میں موجود تمام سوئچ آن کرتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھتی گئی۔سب سے آخر میں بتی جلا کر اس نے دروازہ کھولا۔اس کی چیخ نکل گئی۔سامنے فیصل کھڑا تھا۔

میں نے سوچا آج یہیں رہ جاتا ہوں لاہو ر کل چلا جاؤں گا۔اس نے مُسکرا کر کہا تو زنیرہ کی بجھی آنکھوں میں ہزار قندیلیں روشن ہوئیں۔وہ دروازے کے پٹ تھامے کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

اب اندر بھی آنے دیں گی یا یہیں کھڑا رکھیں گی ؟

زنیرہ نے پیچھے ہٹ کر اسے راستہ دیا۔

امی کو فون کر دیا میں نے، وہ میرے لیے کھانا پکا کر بیٹھی تھیں۔خیر اب آپ کھلائیں گی مجھے مزے دار کھانا۔کیوں نہ رات بار بی کیو کریں ؟ اور یہ ساری بتیاں کیوں جلا رکھی ہیں دن دیہاڑے ؟ وہ بولتا بولتا لاؤنج کی طرف جارہا تھا اور زنیرہ وہیں کھلے دروازے کے آگے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

خواہ مخواہ ہی شکوہ کرتی ہوں میں اللہ سے کہ مجھے اولاد نہیں دی۔فیصل ہے نا۔اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

☆...☆...☆

زنیرہ آٹھ سال کی تھی جب اس نے پہلی مرتبہ فیصل کو گود میں لیا۔عادل اس سے تین برس چھوٹا تھا اس لیے اس کے ساتھ بچپن اسی طرح لڑتے جھگڑتے گزرا جیسے عام بہن بھائیوں کا گزرتا ہے۔زنیرہ کو گڑیوں کا بہت شوق تھا۔زمانے بھر کی گڑیاں اس کے ذخیرے میں موجود تھیں۔سب کے اپنے اپنے نام تھے۔وہ گھنٹوں ان سے کھیلتی تھی۔ کبھی ٹیچر بن کر ان کو سامنے بٹھا لیتی تھی اور انہیں پڑھاتی ، کبھی امی بن جاتی، گڑیوں کو نہلاتی، ان کے کپڑے بدلتی، کھلاتی پلاتی او جوتوں کے ڈبوں سے بنائے ہوئے ان کے بستروں میں سلا دیتی۔عادل اس کے کمرے میں کھیلنے آتا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تو وہ ذرا ہی دیر میں گھبرا کر اسے باہر دھکیل دیتی۔وہ اس کی گڑیوں کے بازو اور ٹانگیں مروڑ دیتا، ان کے گھروں کو الٹ پلٹ کر دیتا، انہیں قطار میں رکھ کر گیند سے نشانے لگالگا کر انہیں گراتا۔زنیرہ چیختی چلاتی اس کو دھکے دیتی ، وہ جواب میں اس کے بال نوچ لیتا اور کبھی داؤ لگتا اور اس کی کوئی گڑیا ہاتھ آجاتی تو پھر وہ سلامت نہ بچتی۔ایسی ہی ایک لڑائی کے بعد زنیرہ ٹوٹی ہوئی گڑیا ہاتھ میں پکڑے روتی ہوئی عطیہ کے پاس گئی تو انہوں نے اس کے آنسو پونچھے ، پیار کیا اور پاس بٹھاکر کہا:

اگر میں تمہارے لیے سچ مچ کی جیتی جاگی گڑیا لے آؤں تو کیسا رہے گا؟

یہ تھی نہ میری جیتی جاگتی گڑیا آنکھیں کھولتی اور بند کرتی تھی۔روتی بھی تھی۔ زنیرہ نے سسکی بھر کر کہا۔

یہ تو بیٹر ی سے چلتی ہے میں تو سچ مچ کے منے کاکے کی بات کررہی ہوں عطیہ ہنس پڑیں۔

مناکاکا ؟ وہ کہاں سے لائیں گی آپ۔زنیرہ رونا بھول گئی۔

ہاسپٹل سے

میرے لیے؟ اس نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہاں! تم اس سے کھیلنا، اس سے پیار کرنا، اسے کوئی تم سے چھین کر نہیں توڑ سکے گا۔زنیرہ نے اگلے چار پانچ ماہ انتظار کی کس شدت سے گزارے یہ وہی جانتی تھی۔ ہر روز وہ عطیہ سے پوچھتی:

کب آئے گا میرا مناکاکا؟ اور جب وہ آگیا تو خوشی کے مارے وہ ناچنے لگی۔

میرا منا آگیا، میرا بے بی آگیا۔وہ ایک ایک کو بتاتی۔

جب فیصل کو گھرلایا گیا تو سب سے پہلے اسے زنیرہ نے گو د میں لیا۔اسے لے کر وہ اہتمام سے صوفے پر بیٹھ گئی اور جب عادل نے اشتیاق کے مارے آگے بڑھ کر اسے دیکھنے کی کوشش کی تو اس نے مالکانہ استحقاق سے فیصل کو سینے سے بھینچ لیا۔

میرا بے بی ہے۔خبر دار جو تم نے ہاتھ لگایا۔

یہ تو دوسری ماں ہے فیصل کی۔عطیہ اکثر ہنس کر کہتیں:

وہ سب کچھ جو وہ گڑیوں کے ساتھ کرتی تھی ، فیصل کے ساتھ کرنے لگی۔وہ اصرار کر کے عطیہ کے ساتھ اسے نہلاتی۔وہ صابن لگاتیں، زنیرہ پانی ڈالتی، نہلا کر تولیے میں لپیٹ کر وہ اسے زنیرہ کو پکڑا دیتیں۔وہ اسے کپڑے پہناتی ، فیڈر پلاتی ، حتیٰ کہ سُلا بھی دیتی۔عطیہ کو بڑا سکھ ہو گیا۔فیصل ذرا بڑا ہوا تو زنیرہ کے پیچھے پیچھے پھرنے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

لگا۔وہ اسے اپنی گڑیوں کے بیچ بٹھا کر اس کے ساتھ گھر گھر کھیلتی ، ٹیچر بن کر اسے پڑھاتی، امی بن کر اسے جھوٹ موٹ کے سکول بھیجتی، اپنی گڑیوں کے چھوٹے چھوٹے برتنوں میں اسے فرضی کھانا کھلاتی۔فیصل کے لیے اس کے اصول عادل سے بالکل مختلف تھے۔وہ اس کے برتن یا گڑیاں توڑ بھی دیتا تو وہ حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتی۔وہی تو تھا اس کا سب سے پیارا گڈا۔ اس کے ہوتے دوسری گڑیاں نہ بھی ہوتیں تو کیا فرق پڑتا؟ زنیرہ نے ماں کی بات کو دل پر لکھ لیا تھا۔ وہ تمہارا ہو گا انہوں نے اس سے کہا تھا۔پانچ چھے سال کی عمر تک اگر کوئی فیصل سے پوچھتا کہ تم کس کے بیٹے ہو تو وہ جواب میں کہتا امی، ابو اور آپی کا۔اور جب اسے بتایا جاتا کہ آپی اس کی ماں نہیں بہن ہے تو اسے سمجھ نہ آتی۔اچھا بہن ہی سہی، لیکن میں ان کا بیٹا ہوں۔وہ کندھے اچکا کر کہتا۔

وہ آج بھی اس کا بیٹا تھا۔

☆...☆...☆

ہے خیال حسن میں حسن عمل کا سا خیال
خلد کا ایک در ہے میری گود کے اندر کھلا
خلد کا ایک در ہے میری گود کے اندر کھلا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ثنا نے کتاب بند کر دی۔

خدا کی پناہ اب اس کا مطلب بھی بتا دو۔مریم منہ بنا کر بولی۔

میری کیا مجال کہ غالب کی تشریح کروں۔ثنا نے کان کی لو چھو کر کہا۔

چلو تم نہ کرو میں کر دیتی ہوں۔مریم نے اپنی کیمسٹری کی کتاب اوندھی کرتے ہوئے ثنا کے ہاتھ سے دیوانِ غالب لے لیا۔

شاعر کہتا ہے۔۔۔۔وہ رُکی اور غور سے شعر کو دوبارہ پڑھا:

ہاں! شاعر کہتا ہے کہ میں بہت حسن پرست ہوں اور مرنے کے بعد بھی رہوں گا۔

غالب کی روح تڑپ اٹھی ہو گی یہ تشریح سن کر۔ثنا ہنس پڑی۔

شکریہ! یہ میرا انتقام ہے۔تم اس کے شعر سن کر پھڑک اٹھتی ہو، وہ میری تشریح سن کر تڑپ اٹھے گا۔جیسے کو تیسا۔مریم نے بے نیازی سے کہا۔

ٹھہرو! میں تمہیں سمجھاتی ہوں۔۔۔۔ثنا نے اس کے ہاتھ سے دیوان غالب لیا۔

مہربانی! مجھے معاف رکھو اپنے غالب سے۔کل تم مجھے شیکسپیئر سمجھانے لگی تھیں، آج غالب پڑھانے لگی ہو۔کل ان کی باری آجائے گی، وہ جو ایک روتے دھوتے منہ

بسورتے صاحب تھے۔کیا نام تھا ان کا؟ کون سا درد؟ ثنا نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

دردِ دل؟ اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

نہیں!

دردِ جگر!

نہیں بھئی! ان کی بیماری کا نہیں ان کا اپنا نام تھا۔۔۔کچھ سر درد قسم کا۔

میر درد! اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

ہاں وہی! توبہ ہے جس شخص کا نام ہی درد ہو ، وہ خود کتنا درد ناک ہو گا۔

شا عر حساس ہوتے ہیں، درد مند ، ہمدرد، مہربان۔ثنا نے ہاتھوں کو بلند کرکے ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔

صرف حسینوں کے ساتھ ہی کیوں ہوتے ہیں دردمند ، ہمدرد اور مہربان ؟ کبھی بدصورتوں پر عاشق ہو کر دکھائیں۔

شاعری او ر حسن پر ستی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

پھر تو تمہیں بھی شاعر ہونا چاہیے تھا۔

ہاں بیوٹی بہت متاثر کرتی ہے مجھے، قدرت میں، الفاظ میں۔ثنا ہنس پڑی۔

اور انسانوں میں! ثنا نے تائید کی۔

کتنا فالتو وقت ہے تمہارے پاس۔اس لیے کہا تھا فائن آرٹس مت پڑھو۔سائنس پڑھتی تو زندگی میں کوئی ڈھنگ کا کام کرتی۔یہ خوابوں خیالوں کی باتوں سے دل نہ لگاتی جیسے میں ہوں پریکٹیکل ، لاجیکل اور عقل مند۔ثنا مسکرائی

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

مریم نے ٹھنڈا سانس بھر ا اور کیمسٹری کی کتاب چہرے کے آگے کرلی۔

☆...☆...☆

یاسر کمرے میں آیا تو جوش سے اس کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔کمرے میں فیصل ، سبحان اور ایک اور کیڈٹ حیدر بیٹھے گپ شپ میں مشغول تھے۔

اٹھو جوانوں وقتِ شہادت ہے آیا۔یاسر چلایا۔

جلدی بول ! کس کو شہید کرنا ہے ؟ حیدر اس سے بھی بڑھ کر جوش سے بولا۔

جنٹل مین کیڈٹ عبدالودود۔۔۔یاسر نے جیب سے کاغذ نکالا۔

اوئے ہوئے ہوئے مولوی۔سبحان نے گھبرا کر کہا۔

کرتوت سن لے پہلے مولوی کے لو لیٹر لکھ رہا ہے کسی لڑکی کو۔یاسر ڈپٹ کر بولا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اوتیری خیر! ہم سے تو بہادر ہی نکلا۔حیدر نے ہنس کر کہا۔

پوری بات بتا۔فیصل نے کہا۔

یار میرا ایک دوست ہے اس کی منگنی پر یہ گیا تھا کسی طرح، وہاں اس کی منگیتر کی ایک سہیلی پر اس کا دل آگیا۔اسے ایک محبت بھرا خط لکھ مارا اس نے۔یاسر نے بتانا شروع کیا۔

لڑکی کیا کہتی؟ فیصل نے پوچھا۔

وہ منگنی شدہ ہے۔اس نے مولوی صاحب سے ذرا اچھے طریقے سے بات کرلی، یہ لٹو ہوگئے۔اتا پتا تھا نہیں اس کا، اس کے کالج کے پتے پر خط لکھ دیا، ساتھ اپنی تصویر بھی بھیج دی۔اس بے چاری کی پیشی ہو گئی پرنسپل کے سامنے۔اب وہ بڑی سخت ناراض ہے۔اس نے اپنی سہیلی یعنی میرے دوست کی منگیتر کو شکایت کی۔ اس نے میرے دوست سے کہا۔دوست نے مجھے سے بات کی تو میں نے کہا فکر ہی مت کر۔تیری منگیتر ہماری بہن ، اس کی سہیلی ہماری سہیلی۔ ایسا رگڑا دیں گے سالے کو ، ساری عاشقی ناک کے راستے نکل جائے گی۔یاسر نے مکا بناتے ہوئے کہا۔اللہ دے اور بندہ لے، جونئیر کو رگڑا دینا سینئر کا فرض ہے۔چاروں نے جتھا بنا کر عبدالودود کے کمرے پر چھاپہ مارا اور اسے برآمد کر لیا۔وہ بے چارہ سچ مچ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

عبدالودود نکلا۔محبت سے گندھا ہوا ، عاجزی اور انکساری کا پیکر ، میٹھا بول ، تمسخر سے پاک، چھوٹا سا لڑکا، نئی نئی نکلی ہو ئی خشخشی ڈاڑھی۔ لیکن یہ وقت ترس کھانے کا نہیں تھا۔اسے مارچ کراتے ہوئے وہ گراؤنڈ میں لے آئے۔ وہ بے چارہ پہلے ہی سینئرز کو دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔رہی سہی کسر کڑاکے کی سردی نے نکال دی۔کیا بات ہے سر ؟ اس نے عاجزی سے پوچھا۔

ابھی بتاتے ہیں بیٹا۔صائمہ اظہر طالبہ فلاں کالج فارویمن تھرڈ ائیر کو خط آپ نے لکھا تھا؟ مکرنا مت ہم نے خط بھی دیکھ لیا ہے اور اس کے اندر بھیجی گئی تصویر بھی۔یاسر نے کہا۔

اوئے تو نے تصویر کیو ں بھیجی چھچھوندر کی اولاد؟ بہت حسین سمجھتا ہے تو اپنے آپ کو؟ حیدر نے پوچھا۔

نہیں سر۔اس نے سر نیچے کرکے کہا۔

نہیں سر کا کیا مطلب؟ خط نہیں لکھا تو نے ؟ فیصل نے ڈپٹا۔

وہ تو لکھا تھا جی، میرا مطلب ہے میں اپنے آپ کو بہت حسین نہیں سمجھتا۔اس نے بہت پر زور دے کر کہا۔

لیکن حسین سمجھتا ضرور ہے۔سبحان نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

تجھے معلوم ہے یہ لڑکی کون ہے ؟ کزن ہے میری۔یاسر نے ڈانٹا

میں نے کوئی غلط بات نہیں لکھی۔بس اپنی پسند کا اظہار کیا ہے۔اس نے لجاجت سے کہا:

اظہار کے بچے! تجھے شرم نہیں آئی لو لیٹر لکھتے، وہ بھی کالج کے پتے پر۔

گھر کا پتا مانگنے کے لیے ہی تو لکھا تھا تاکہ اپنے گھر والوں کو اس کے گھر بھیج سکوں ۔اس نے سادگی سے کہا۔

کس لیے؟ سبحان نے حیران ہو کر پوچھا۔

نکاح کے لیے سر! وہ شرما کر بولا۔

اوئے اُگ تو جا پہلے زمین سے اماں کی گود سے نکل کر سیدھا نکاح پڑھائے گا۔

سبحان کی حیرت برقرار تھی۔

کمینے میں کراتا ہوں تیرا نکاح کپڑے اتار اپنے۔یاسر نے ڈانٹ کر کہا۔

جی سر؟ اس نے بھونچکا ہو کر کہا۔

کپڑے اتار! یاسر چلایا۔

اس نے گھبرا کر کپڑے اتارنے شروع کیے حتی کہ ایک نیکر اور بنیان اس کے جسم پر رہ گئے۔چل بھاگنا شروع کر چکر لگا گراؤنڈ کے ہم بیٹھے ہیں یہیں پر۔خبردار جو رکا۔نئے سرے سے شروع کرائیں گے۔یاسر نے آرڈر کیا۔

سردی سے کانپتے ہوئے عبدالودود نے گراؤنڈ میں بھاگنا شروع کر دیا۔

جانے دو یار دل کا معاملہ ہے۔فیصل نے دل پسیج کر کہا۔

ضرور جانے دیتے، اگر لڑکی راضی ہوتی۔اس نے باقاعدہ شکایت بھیجی ہے۔اب یہ دل کا نہیں، فوج کی عزت کا معاملہ ہے۔یاسر نے سنجیدگی سے کہا۔

مولانا عبدالودود ہانپتے ہوئے وسیع و عریض گراؤنڈ کے چکر لگاتے رہے۔

speed up! سبحان پانچویں چکر کے بعد للکارا۔اس نے تین چکر مزید لگائے۔

میرا خیال ہے بس کریں، گر جائے گا اب یہ۔یاسر نے اس کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

وہ قریب آیا تو اسے روک لیا گیا۔اس نے کھڑے ہو کر ماتھے کا پسینہ پونچھا۔

گرمی لگ رہی ہے ؟ یاسر نے پوچھا

یس سر! اس نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہا۔

وہ پانی کھڑا دیکھ رہے ہو گراؤنڈ کے centre میں ؟ یہ جوتے موزے اتارو اور جاکر اس میں کھڑے ہو جاؤ۔یاسر نے اشارہ کیا۔

یس سر! اس نے جوتے موزے اتارنے شروع کیے۔

وہاں جا کر کھڑے ہو جاؤ اور قومی ترانہ پڑھو ہمیں آواز آنی چاہیے یہاں تک، تب تک نہیں رکنا جب تک ہم نہ کہیں۔یاسر نے کہا۔پ

اک سر زمین شاد باد۔۔۔۔۔برفیلے پانی میں کھڑے ہو کر عبدالودود نے ترانہ پڑھنا شروع کیا۔

آواز نہیں آرہی دوبارہ شروع کرو۔حیدر نے آواز لگائی۔

پاک سر زمین شاد باد۔۔۔۔۔اس نے فل والیوم میں پڑھنا شروع کیا۔سردی نے کہیں کے سُر کہیں لگا دیئے۔

جب وہ چیخ چیخ کر پندرہ مرتبہ پڑھ چکا اور اس کی آواز بیٹھ گئی تو اسے واپس بلایا گیا۔

کپڑے پہنو! حکم ملا۔

گیلی گھاس پر پڑے کپڑے بھی گیلے ہو چکے تھے۔اس نے جیسے تیسے کپڑے پہنے اور تھر تھر کانپتا ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

بیٹھو!وہ وہیں گیلی گھاس پر بیٹھ گیا۔یاسر نے لیٹر پیڈ اور پین برآمد کیا اور اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

معافی نامہ لکھو۔یاسر نے آرڈر دیا

کس کو سر ؟ اس نے دانٹ کٹکٹاتے ہوئے پوچھا۔

جس کو پہلے لو لیٹر لکھا تھا، اس بہن کو لکھ۔یاسر نے ڈپٹ کر کہا

ڈیئر سسٹر! عبدالودود نے پین کاغذ پر رکھا۔

ڈیئر کس کو لکھ رہا ہے؟ یاسر نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

سسٹر کو سر! عبدالودود نے روتے ہوئے کہا۔

کاٹ! کاٹ ڈیئر کو۔یاسر نے ڈانٹا۔

ڈیئر کاٹا گیا اور ایک طویل معافی نامہ لکھا گیا، جس میں گڑگڑا کر اپنی غلطی کی معافی مانگی گئی اور آئندہ کوئی شکایت نہ ہونے کی یقین دہانی کروائی گئی۔بیچ بیچ میں چاروں اس کو ہدایتیں دیتے رہے۔

پتا لکھ لیں سر اپنی کزن کا۔خط لکھ کر اس نے یاسر کو پکڑا دیا۔

یاسر کا ہاتھ وہیں رک گیا۔یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔وہ گومگو کی کیفیت میں کھڑا رہ گیا۔فیصل اس کی مدد کو آیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نہیں تم لکھو اس کالج کا پتا جس پر پہلے بھیجا تھا۔اس کی بدنامی ہوئی تھی کالج میں وہیں خط بھیجو تاکہ سب کو پتا چلے کہ اس معاملے میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ آخر عبدالودود کو چھٹی ملی۔بے چارے کا سارا عشق ناک کے راستے نکل چکا تھا۔ I must say! نیت صاف تھی مولوی کی۔یاسر نے اس کے جانے کے بعد مسکرا کر کہا۔

☆...☆...☆

فوزیہ کے شوہر کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا طاہر دو برس کا تھا اور بیٹی شاذیہ چھے ماہ کی۔شوہر سرکاری محکمے میں ملازم تھا اور وہ لاہور میں سرکاری کوارٹر میں ٹھاٹھ سے رہتی تھی۔نئے سے نیا پہنتی اوروڑھتی، اچھے سے اچھا کھاتی پیتی اور ہمسائی خواتین سے میل ملاپ میں مگن رہتی۔اس نے تو کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ پتوکی کے غریب سے گھر سے اٹھ کر وہ اس طرح بیگم صاحبہ بن جائے گی۔فوزیہ نو بہن بھائیوں میں ساتویں نمبر پر تھی۔پتوکی تب چھوٹا سا شہر تھا۔مہنگائی کا وہ عالم تھا جو بڑے شہروں میں ہوتا ہے۔اس کے گھر میں خوش حالی نہ سہی، بہت زیادہ غربت بھی نہ تھی۔ماں باپ نے بیٹیوں کے لیے کچھ جمع جوڑ رکھا تھا۔مشکل صرف یہ تھی کہ چھے بیٹیاں بیاہنا کچھ آسان کام نہ تھا۔جو رشتہ آتا ، زیادہ چھان بین کیے بغیر وہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کسی بھی بیٹی کا ہاتھ تھامتے اور رخصت کر دیتے۔فوزیہ کے لیے اشفاق کا رشتہ آیا تو گویا نعمت غیر مترقبہ ہاتھ آئی۔وہ لاہور میں سرکاری ملازم تھا۔موٹر سائیکل پاس تھی۔شکل و صورت کا معقول اور شریف آدمی تھا۔بس عمر ذرا زیادہ تھی۔بہنیں بیاہتے اور بھائیوں کو اپنے پیروں پر کھڑا کرتے اس کی شادی نہ ہو سکی تھی۔خیرا س کا فائدہ یہ تھا کہ اب چھڑا چھانٹ تھا۔کوئی ذمہ داری سر پر نہ تھی۔بہن بھائی اپنے اپنے گھر کے تھے ، ماں باپ اگلے جہاں سدھار چکے تھے۔جہیز کا کوئی مطالبہ نہ تھا۔انہوں نے خوشی خوشی فوزیہ کو بیاہ دیا۔وہ لاہور آکر رہنے لگی۔وہ یہاں خوش تھی۔پہننا ، اوڑھنا ،موٹر سائیکل پر سیر و تفریح ، اچھا شوہر ، اس کی اڑان اس سے زیادہ کیا ہوتی؟ پھر اللہ نے اولاد بھی دے دی۔طاہر پیدا ہوا۔ڈیڑھ سال بعد بیٹی بھی ہوگئی۔فوزیہ نے سوچا اب زندگی مکمل ہوگئی۔لیکن اس مکمل زندگی کو چکنا چور ہونے میں چھے ماہ کا عرصہ بھی نہ لگا۔اشفاق کو دل کا دروہ پڑا اور وہ پہلے ہی دورے میں جان سے گزر گیا۔فوزیہ کی کہانی ویسی ہی تھی جیسی ان حالات سے گزرنے والی ہزاروں عورتوں کی ہوتی ہے۔پر جس تن لاگے سو تن جانے۔زندگی میں جہاں کٹھن راستے آتے ہیں، سہل راہیں بھی آتی ہیں۔فوزیہ کی زندگی میں سکھ کے لمحے پلک جھپکتے ختم ہوگئے اور کٹھنائیاں کبھی نہ ختم ہونے والی رات کی طرح مسلط ہو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

گئیں۔لاہو ر میں اس کا کوئی نہ تھا۔محکمے سے ملے ہوئے کوارٹر میں دو مہینے سے زیادہ نہ رہ سکتی تھی۔اسے خاندان کا سہارا بھی درکار تھا اور سر پر چھت بھی۔وہ واپس آگئی۔سسرال تو کوئی تھا نہیں جہاں رہتی، میکے کے نام پر ضعیف باپ تھا اور بے نیاز بھائی۔باپ کے گھر آئے بغیر چارہ نہ تھا۔اس گھر میں اس نے بہ مشکل ایک سال گزارا گھر پر بھابھیوں کا راج تھا۔وہ تو اس کے بوڑھے باپ کو روٹی جوتی کی نوک پر رکھ کر دیتی تھیں ، اسے اور اس کے بچوں کو کہاں سے ڈھوتیں؟ ایک بھائی کی سائیکل پنکچر کی دکان تھا، دوسرا کسی دکان میں سیلز مین تھا۔آمدنی کم، خرچے زیادہ، جھگڑے ڈھیر، فوزیہ لاہورمیں رہ کر اچھی اور پر سکون زندگی کی اہمیت سے آشنا ہوئی تھی۔اسے اپنے بچوں کے لیے کچھ فیصلہ کرنا ہی تھا۔شہر سے باہر بہت کم قیمت میں زمین کا اشتہار آیا تو اس نے اشفاق کی گریجویٹی کی رقم سے وہ زمین خرید لی ،کچھ اپنا زیور بیچا ،کچھ قرضہ اٹھایا اور ایک چاردیواری اور ایک کمرے کا مکان ڈال کر وہ باپ اور بچوں کو لے کر وہاں اٹھ آئی۔

فوزیہ نے قریبی فیکٹری میں ملازمت کر لی۔کچھ معمولی سی پنشن بھی آتی تھی، لہٰذا گزارا ہونے لگا۔وقت کے ساتھ ساتھ اردگر د اور مکان بھی بن گئے۔بچے سکول جانے لگے۔فوزیہ گویا اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی۔بوڑھے باپ کا انتقال ہوا تو اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کا بہت بڑا سہارا اٹھ گیا۔فوزیہ نے طاہر کی طرف آس لگائی اور اس کو گھر کا سمجھنے لگی۔اس کی بدقسمتی کہ گھر کے اس بڑے مرد کے پاس رول ماڈل کے نام پر یا ضعیف نانا تھا یا گلی محلے کے وہ لڑکے جن کے ساتھ وہ دن رات آوارہ گردی کرتا تھا۔فوزیہ دن بھر کام پر رہتی تھی۔اس کے بھائی کبھی بھولے بھٹکے سال چھے مہینے میں ایک آدھ چکر اس کے گھر کا لگا لیتے تھے۔بہن پیسے نہ مانگ لے یا اس کا کوئی کام نہ کرنا پڑ جائے، اس خدشے کے تحت وہ کھڑے کھڑے آتے اور خیر خیریت پوچھ کر چلے جاتے۔ان کی پانچ بہنیں اور بھی تھیں۔ایک کے سر پرست بنتے تو سب کا بننا پڑتا۔ان کو کیا پڑی تھی کہ فوزیہ کے بچوں میں دل چسپی لیتے۔ایسے میں طاہر جو بے مہار اونٹ بنا سو بنا، شازیہ نے بھی پر پُرزے نکالے اور محلے کے ایک دکان دار سے میل ملاپ بڑھانے لگی۔فوزیہ کو تب معلوم ہوا جب اس نے ایک دن اس کا خط پکڑا۔وہ دل تھام کر رہ گئیں۔قسمت نے اسے اپنے بچوں کا باپ بننے پر مجبور کر دیا تھا۔اس کوشش میں وہ ان کی ماں بھی نہ بن سکی۔صدمے نے اسے بیمار کرڈالا۔پہلے پہل وہ معمولی ٹوٹکوں اور بخار کی دواؤں سے کام چلاتی رہی۔جب بیماری کسی طرح قابو نہ آئی اور فیکٹری سے روز روز چھٹیاں ہونے لگیں تو اس نے دل کڑا کرکے ہسپتال جانے کا ارادہ کیا۔طاہر آوارہ گرد تھا ، پڑھائی میں نالائق تھا،

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

غیر ذمہ دار تھا مگر ماں سے محبت کرتا تھا۔اسے معلوم تھا کہ ماں کے سوا اس کا کوئی نہیں۔وہ اس کے ساتھ ہسپتالوں کے چکر کاٹتارہا۔فوزیہ کو لگتا تھا اس کا دماغ سن ہو چکاہے۔وہ گم صم رہنے لگی۔گھر میں ہوتی تو فیکٹری کی نوکری کے بارے میں سوچتی رہتی۔اسے خدشہ ستاتا کہ آئے دن کی چھٹیوں کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ اگر وہ صحت مند نہ ہوئی تو کہیں فیکٹری سے اس کی چھٹی نہ کر دی جائے۔وہ اپنی سوچوں میں غلطاں رہتی۔گھر سے باہر نکلتی تو دھیان شازیہ کی طرف لگا رہتا۔وہ کیا کرتی ہوگی؟ خط لکھتی ہوگی یا اس دوکان دار سے ملنے چلی گئی ہوگی؟ کہیں اسے گھر ہی نہ بلا رکھا ہو۔شازیہ کو اس نے سمجھایا بجھایا، ڈرایا دھمکایا، مگر اس سے زیادہ کیا کرتی، ڈر کے مارے اس نے اس بات کا تذکرہ طاہر سے نہ کیا تھا۔طاہر نوجوان تھا، کہیں جذباتی ہو کر کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھتا تو وہ اس واحد سہارے کی آس سے بھی جاتی۔ وہ اندر ہی اندر گھلتی رہی اور اس جلنے کڑھنے کا نتیجہ اس رپورٹ کی صورت میں سامنے آیا جو ڈاکٹروں نے اسے مشینوں کے اندر ڈالنے کے بعد لکھی تھی، اسے بریسٹ کینسر تھا۔فوزیہ کو لگا وہ جیتے جی مرگئی ہو۔گھر میں دووقت کی روٹی کے لالے پڑے تھے۔لاکھوں کا بندوبست وہ کہاں سے کرتی؟ جمع پونجی اب تک کے علاج پر خرچ کر چکی تھی۔بہن بھائیوں سے کوئی امید نہ تھی۔ وہ کہاں جاتی؟ کس کے در

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پر سر ٹکراتی ؟ کہتے ہیں مصیبت اکیلی نہیں آتی۔اس کے گھر میں مصیبت اکیلی نہیں آئی تھی۔اپنے ساتھ ایک رحمت بھی پھسلا لائی۔طاہر بدلنے لگا۔ماں کی بیماری نے اس کے پیروں تلے زمین نکا ل دی۔وہ ماں کو فاقے کاٹتا، درد سے تڑپتا دیکھتا تو رونے لگتا۔سترہ سال کی عمر تک اسے ہر دھوپ سے بچانے والی چھاؤں آج سُکڑرہی تھی۔

محبت بھی کیا عجیب چیز ہے؟ ایسی طاقت ور کہ کایا پلٹ دے، ولی کو گناہ گار کردے، گناہ گار کو ولی۔وہ طاہر جو غیر ذمہ دار اور آوارہ گرد تھا، اب ماں کے لیے بھاگ دوڑ کرنے لگا۔ایک دکان پر معمولی سی تنخواہ پر سیلز مین بھرتی ہوگیا۔ ایف اے، فرسٹ ایئر کو اور نوکری بھی کیاملتی؟ آدھا دن دکان پر گزارتا، آدھا دن ماں کولیے ہسپتالوں کے چکر کاٹتا۔فوزیہ کے علاج کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی کیوں کہ اس کے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی۔ڈاکٹروں نے اسے لاہور جانے کا مشورہ دیا۔کینسر ہسپتال میں اس کا علاج زکوٰۃ سے ہو سکتا تھا۔اسے کچھ ڈھارس بندھی۔شازیہ کو بھائیوں کے پاس چھوڑ رکر وہ طاہر کے ساتھ لاہور آگئی۔یہاں ٹھہرنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔بس اسپتا ل ہی تھا جہاں فوزیہ کو داخل کر لیا گیا۔ طاہر کا کیاتھا فٹ پاتھ پر بھی سو جاتا۔فوزیہ اسپتال کا کھانا کھالیتی، طاہر کسی مخیر کے

دیئے ہوئے پر گزارا کرتا ، ورنہ بھوکا ہی رہتا۔ آپریشن سے ایک رات پہلے اس نے مصلے پر بیٹھ کر صرف ایک دعا مانگی، اس نے زندگی کے پانچ سال مانگے۔پانچ سال میں و ہ شازیہ کو بیاہ دے گی ، طاہر پنے پیروں پر کھڑا ہو جائے گا۔پھر بھلے وہ مرجائے۔اس زندگی کی اسے ایسی کچھ چاہ بھی نہ تھی کہ سالوں جیئے جانے کی کوشش کرتی۔

فوزیہ کا آپریشن ہوا۔اس کی قسمت یہاں اچھی نکلی۔ڈاکٹروں نے کام یابی کی خوش خبری سنائی۔فوزیہ ابھی ٹھیک سے سکھ کا سانس بھی نہ لے پائی تھی کہ اس خوش خبری کا دوسرا حصہ اسے بتایا گیا۔اسے ہسپتال سے چھٹی دی جارہی ہے کیوں کہ بستر کم تھے مریض زیادہ۔ڈاکٹروں نے یہ بھی بتادیا کہ ایک مہینے تک ہر ہفتے کم از کم دومرتبہ چیک اپ کے لیے آنا پڑے گا۔اب کیا ہو؟ ان کے پاس تو واپس جانے کا کرایہ تک نہ تھا۔اسپتال میں ہی فوزیہ کو ایک عورت ملی جس کا شوہر اشفاق کے محکمے میں ملازم تھا۔اس نے فوزیہ کو راہ سجھائی کہ وہ محکمہ کے دفتر جائے اور پتا کرے کہ پرانے ملازم کی بیوہ کو علاج معالجے کی مدد میں کچھ رقم مل سکتی ہے یا نہیں ؟ شاید محکمہ کی پالیسی میں بیوہ کے لیے کچھ سہولت ہو۔نہ بھی ہو تو شاید افسر ہی کچھ امداد کردیں۔آپریشن کے فوراً بعد فوزیہ کی حالت کہیں آنے جانے کی نہ

تھی۔وہ کچھ سنبھلی تو اسے ڈسچارج ہونے کاسندیسہ ملا۔ اسپتال سے نکل کر وہ طاہر کے ساتھ سیدھا محکمے کے دفتر پہنچی۔اشفاق کے ساتھ کے پرانے ملازموں اور افسروں کے ساتھ کے صرف چند لوگ ہی بچے تھے۔انہوں نے ہم دردی کے ساتھ اس کی بپتا سنی، اشفاق کی ملازمت کا ریکاڑد بھی نکال لیا گیا۔دفتر میں اتنی دیر بیٹھنا پڑا کہ فوزیہ کی حالت پتلی ہونے لگی۔معاملہ تھا کہ سلجھ کر نہ دیتا تھا۔کلرک اس کی درخواست کاغذوں کے پلندے میں دبائے افسر کے کمرے کے اندر باہر آجارہا تھا۔آخراسے افسر کے کمرے میں بلایا گیا۔ہانپتی کانپتی فوزیہ پھولا سانس اور زرد رنگت لیے طاہر کے سہارے بڑے افسر کے کمرے میں پہنچی۔انہوں نے ہم دردی سے اسے بٹھایا، پانی پلایا اور ندامت سے اسے بتایا کہ محکمہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔پرانے ملازموں کی بیواؤں کو پنشن ملتی تھی مگر اس کے علاوہ اور کسی مد میں ان کو فنڈ جاری نہیں کیے جاسکتے تھے۔

فوزیہ مایوسی سے سنتی رہی۔طاہر اس کی کرسی کے پیچھے سر جھکائے کھڑا رہا۔افسر کے کمرے میں کچھ اور لوگ بھی تھے۔اسے ان کے کام بھی نمٹانے تھے۔اپنی بات کر کے اس نے فوزیہ کووہیں بیٹھا چھوڑا اورخود دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔فوزیہ کچھ دیر کسی اور حوصلہ افزا بات کے انتظار میں بیٹھی رہی پھر مایوس ہو

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کر اٹھ کھڑی ہوئی۔طاہر اسے سہارا دے کر باہر لایا اوردونوں درخت کے نیچے پرانے بنچ پر بیٹھ گئے۔فوزیہ پسینے پسینے تھی۔ طاہر گھبرا کر اسے پنکھا جھلنے لگا۔فوزیہ کے منہ سے آواز نہ نکلتی تھی اور طاہر کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔بڑی دیر وہ دونوں وہیں بیٹھے رہے۔اپنے کاموں میں مصروف ادھر ادھر آتے جاتے لوگوں کو پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔پھر ایک شخص اندر سے نکلا اور آکر ان کے پاس کھڑا ہو گیا۔

بی بی آپ کو کہاں جانا ہے ؟اس نے نرمی سے پوچھا۔

فوزیہ خالی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔اس کا ذہن بالکل خالی سلیٹ بن چکا تھا۔ ایک بے حسی سی تھی جو اس کے حواس پر طاری تھی۔وہ بے حسی جو ناامیدی کی انتہائی شکل ہے، جو مشکلوں اور مصائب سے ٹوٹے انسان پراپنے پنجے گاڑ کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیتی ہے۔

پتو کی! طاہر نے جواب دیا۔

اس شخص نے طاہر کو اشارے کے ساتھ آنے کو کہا اور اسے لے کر فوزیہ سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ہلکی آواز میں دونوں کچھ بات چیت کرنے لگے۔فوزیہ نے اسے دیکھا۔وہ ادھیڑ عمر کا شخص تھا۔غیر معمولی طور پر دراز قد تھا اور لباس اور چہرے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

مہرے سے خوش حال نظر آتا تھا۔فوزیہ نے طاہر کے نوجوان چہرے کو رنگ بدلتے دیکھا۔اس کے چہرے پر پہلے حیرت ، پھر امید ، پھر خوشی اور پھر احسان مندی کے رنگ آئے اور ٹھہر گئے۔

امی! چلیں اٹھیں۔اللہ نے مدد بھیج دی ہے۔وہ بھاگ کر فوزیہ کے پاس آیا۔

☆...☆...☆

سرور، فوزیہ اور طاہر کو گھر لائے تو عطیہ اور دادی نے کچھ سوال ضرور کیے مگر دونوں جانتی تھیں کہ سرور اپنی ضد کا پکا ہے، جو بات کہہ دی سو کہہ دی۔فوزیہ کو گھر کا باہری کمرہ دے دیا گیا جو گھر سے ذرا الگ تھلگ تھا اور کبھی کبھار دادی کے گاؤں سے آنے والے رشتہ داروں کو ٹھہرانے کیلئے استعمال ہوتا تھا۔فیصل چھٹی پر آیا تو مہمانوں کو دیکھ کر کچھ خاص حیران نہ ہوا۔سرور اس قسم کے کام کرتے رہتے تھے۔اپنی خوش خصال طبیعت کی وجہ سے وہ فوزیہ کا حال پوچھنے بھی گیا۔ اس کے آنے کے اگلے دن سرور نے اسے فوزیہ کو اسپتال لے جانے کی ڈیوٹی سونپی۔وہ دونوں کو اسپتال لے گیا اور وہاں ان کے ساتھ ساتھ رہا۔ڈاکٹروں سے فوزیہ کی رپورٹس ڈسکس کیں۔دوائیاں بھی خرید دیں۔راستے میں جوس بھی پلایا۔ طاہر کو زندگی میں پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے ساتھ وہ آج تک اٹھتا

بیٹھتا رہا تھا ، ان میں اور ان لوگوں میں کیافرق تھا۔اس کے ساتھ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی نے شفیق اور ذمہ دار بڑے بھائی کا سا برتاؤ کیا تھا۔فیصل نے اسے اپنی وردی بھی دکھائی اور مختلف مقابلوں میں جیتے ہوئے میڈل اور کپ بھی۔جتنے دن فیصل گھر رہا، طاہر فیصل بھائی، فیصل بھائی کہتے دیوانہ وار اس پر نثار ہوتا رہا۔

فوزیہ کی حالت اب بالکل سنبھل گئی۔وقت پر دوا اور چیک اپ نے مرض کنٹرول کر دیا۔گھر کے کھانے اور آرام نے جسمانی اور ذہنی صحت بحال کر دی۔ہزار ہا تشکر اور احسان مندی سے اس نے گھر والوں کا شکریہ ادا کیا۔عطیہ نے پھلوں کی پیٹی ساتھ دی۔سرور نے کچھ رقم کا لفافہ تھمایا اور فوزیہ واپس اپنے گھر چلی گئی۔

☆...☆...☆

زنیرہ نے گھر کے دروازے کولاک کر کے چابی کھینچ لی۔خالی گھر سے نکلنا اور خالی گھر میں واپس آنا دونوں ہی کام اسے بہت مشکل لگتے تھے۔اس نے پورچ میں کھڑی جدید ماڈل کی خوب صورت گاڑیوں کو دیکھا۔بے اختیار اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ان بڑی بڑی گاڑیوں کے ساتھ کوئی چھوٹی سی سائیکل کھڑی ہو۔چشمِ تصور سے اس نے ایک نیلی اور گلابی سائیکل وہاں کھڑی دیکھی وہ مسکرا دی۔

پورچ میں سائیکلیں کھڑی کر دیں اندر کھڑی کیا کرو بھئی۔ باہر خراب ہو جائیں گی۔ اس نے تصور میں کسی سے کہا۔سڑک پر کسی گاڑی کا ہارن بجا اور تصور ٹوٹ گیا۔ زنیرہ کی مسکراہٹ بھی بکھر گئی۔مڑ کر ایک نظر اس نے گھر کے بند دروازے کو دیکھا پھر ٹھنڈا سانس لے کر گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔آج اسے ڈینٹسٹ کے پاس جانا تھا۔چند دنوں سے اسے دانت میں تکلیف تھی۔کل شام کو درد بہت بڑھ گیا تھا تو اس نے رات کے کھانے پر عامر کو بتایا:

ہاں چلی جاؤ ڈینٹسٹ پہ۔اس نے کھانا کھاتے ہوئے جواب دیا۔

فون کیا تھا میں نے اسے کل شام کی aapointment دی ہے اس نے ابھی پین کلر کھانے کو کہا ہے۔زنیرہ نے بتایا۔

عامر خاموشی سے کھانا کھاتارہا۔زنیرہ کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرتی رہی۔

ڈرائیور چھٹی پر ہے کل میری پانچ بجے کی appointment ہے۔کیا تم مجھے لے جاسکتے ہو؟ آخر اس نے خود ہی بات شروع کی۔

تم یہ پوچھ بھی کیسے سکتی ہے؟ پانچ بجے میں اٹھ سکتا ہوں آفس سے؟ پرائم ٹائم ہے وہ کام کا۔عامر نے چمچ پلیٹ میں پٹخ کر۔اس نے غصے سے کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

زنیرہ نے گلاس اٹھا کر ٹھنڈے پانی کا گھونٹ لیا اور اپنے اندر امڈتے ملال اور غصے کو دبانے کا فی الحال اور کوئی ذریعہ نہیں تھا اس کے پاس۔

تمہارا ہر ٹائم پرائم ٹائم ہوتا ہے اگر مجھے کوئی ضرورت ہو، اپنے لیے تم کسی بھی وقت اٹھ سکتے ہو۔زنیرہ کے ضبط کے بندھن اب جواب دے گئے تھے۔

میرے کام ضروری ہوتے ہیں۔تمہاری طرح نخرے نہیں کرتا میں عیش و عشرت میں بیٹھ کر۔اس نے غصے سے کہا۔

میرا کام بھی ضروری ہے، عامر میں تکلیف میں ہوں ، اکیلی ڈرائیو کر کے نہیں جاسکتی۔اگر تم نہیں آسکتے تو آفس سے مجھے کوئی ڈرائیور بھیج دو۔اس نے تحمل سے کہا۔

نئ فرمائش! کل بہت ضروری ڈلیوری ہے ایک کنسائنمنٹ کی۔کوئی ڈرائیور فارغ نہیں ہے۔عامر نے خفگی سے کہا۔

تو میں اس درد اور تکلیف کے ساتھ اکیلی جاؤں اور اکیلی واپس آؤں؟ زنیرہ کا تحمل بھرا جواب دے رہا تھا۔

نہیں میں لے جاتا ہوں تمہیں اور اسپتال میں پھینک آتا ہوں۔ عورتوں کی عادت ہوتی ہے نخرے کرنے کی۔تم وہاں رہو ہفتہ دس دن اور جب یہ نخرے نکل جائیں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تو مجھے فون کر دینا میں آکر لے جاؤں تمہارا ملبہ۔عامر نے نیپکن میز پر پھینکتے ہوئے کہا۔

زنیرہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔اسی وقت ملازمہ آکر برتن اٹھانے لگی۔زنیرہ نے کرسی دھکیلی اور کھڑی ہو گئی۔

مجھے چائے کا کپ دے جاؤ میرے کمرے میں اس نے ملازمہ سے کہا۔

جی اچھا! صاحب جی آپ کے لیے بھی؟ ملازمہ نے کہا۔

نہیں! میں باہر جارہا ہوں، رات کو دیر سے آؤں گا۔عامر بے نیازی سے بولا۔

☆...☆...☆

دانت کی تکلیف ایک عذاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔چیک اپ پر معلوم ہوا کہ داڑھ ٹوٹ گئی ہے اور اس کی کرچیاں مسوڑھے میں دھنس گئی ہیں۔اسی وقت لوکل سرجری کی گئی۔دو گھنٹے میں نہ صرف وہ دانت نکالا گیا بلکہ ارد گرد کے دانتوں کی بھی سرجری ہوئی۔زنیرہ کھڑی تو اس کا سر چکرا رہا تھا۔درد تھی کہ پین کلر انجکشن سے بھی پوری طرح نہ گئی تھی۔اس حالت میں اس نے گاڑی کی چابی پکڑی اور گاڑی میں آبیٹھی۔بڑی دیر وہ پارکنگ میں بیٹھی ہمت مجتمع کرتی رہی۔آخر اس نے

گاڑی اسٹارٹ کی اور پارکنگ سے نکال لی۔سڑک پر لاتے ہی اس کا پہلا ایکسیڈنٹ ہوا۔گاڑی دائیں طرف سے فٹ پاتھ پر رگڑ کھاتی چلی گئی۔

افوہ! پوری سائیڈ پر ڈینٹ پڑ گیا ہو گا۔اب عامر کی باتیں سننی پڑیں گی۔زنیرہ نے کوفت سے سوچا۔

دوسرا ایکسیڈنٹ مین روڈ پر ہوا۔رکشے کو بچانے کی کوشش میں اس کی گاڑی سائیڈ پر کھڑی وین سے ٹکرا گئی۔اس نے گھبرا کر ریورس کی تو ایک موٹر سائیکل سوار ریورس ہوتی گاڑی کے پیچھے آگیا۔گاڑی اس سے ٹکرائی اور وہ نیچے گر گیا۔زنیرہ کو وہ نظر ہی نہ آیا تھا۔اس نے مکا لہرا کر اسے ڈانٹنے کی کوشش کی۔تب اسے احساس ہوا کہ اس کے حواس کام نہیں کر رہے۔زبان دو من کی محسوس ہو رہی تھی اور دماغ سن ہوا جا رہا تھا۔اسے فلموں میں دیکھے گئے وہ کردار یاد آئے جو نشے میں دھت، لڑکھڑاتے پھرتے تھے۔شاید ڈاکٹر نے اسے کوئی ایسی نیند آور دوا دی تھی جو اس کے حواس مفلوج کر رہی تھی یا پھر یہ بے ہوشی کی دوا کا اثر تھا۔

بیس کلومیٹر کی سپیڈ سے گاڑی چلاتی وہ ایک گھنٹے اور چار ایکسیڈنٹس کے بعد گھر پہنچی۔آخری دفعہ گاڑی اس نے گھر آکر پورچ میں رکھے گملوں میں ماری۔گاڑی ٹیڑھی میڑھی کھڑی کر کے وہ باہر نکلی۔پرس میں سے چابی ڈھونڈتے اور دروازے

کا لاک کھولنے میں اسے مزید پندرہ منٹ لگے۔اندر آکر اس نے بتیاں جلائیں اور ملازمہ کو آواز دی۔اس سے عامر کا پوچھا، وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔اسے گرم دودھ لانے کہہ کر وہ کمرے میں چلی گئی۔اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔اس کے پورے منہ پر سوجن تھی اور آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

دودھ کے ساتھ پین کلر کھا کر وہ سو گئی۔دو بجے کے قریب درد کی شدت سے اس کی آنکھ کھلی، اسے تیز بخار تھا۔لیٹے لیٹے اس نے ہاتھ بڑھا کر لیمپ جلایا اور درد کی گولی پتے سے نکالی۔پانی کے لیے نظر دوڑائی تو پانی کا گلاس خالی پڑا تھا۔اس نے ڈریسنگ روم کی طرف نظر ڈالی۔وہاں کی لائٹ آف تھی۔یعنی عامر آج رات بھی گھر نہیں آیا تھا۔زنیرہ نے کمرے میں پانی کی بوتل کی تلاش میں نظر دوڑائی۔درد کی شدت اور بخار کی حدت نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔اس نے اٹھ کر کچن میں جانے اور پانی لانے کی ہمت نہ تھی۔اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر نڈھال ہو کر پھر تکیے پر گر پڑی۔اسے اپنی بے بسی، لاچاری اور تنہائی پر رونا آگیا۔شادی کے نو سالوں میں ہر قسم کی کوشش کے باوجود وہ اس شادی کو وہ شکل نہ دے سکی تھی جو کسی بھی قسم کا کوئی سکھ دے سکتی۔آج اس کے منہ میں دو گھونٹ پانی ڈالنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔وہ وہیں پڑی روتی رہی۔

اچانک اس کے فون کی گھنٹی بجی۔اس نے چونک کر سر اٹھایا، اس نے سوچا شاید عامر کا فون ہو۔اس نے فون اٹھا کر نیم اندھیرے میں نام پڑھنے کی کوشش کی، فیصل۔

کانپتے ہاتھوں سے اس نے کا ل ریسیو کی۔

ہیلو! بہ مشکل اس کے منہ سے نکلا۔

آپی آپ ٹھیک ہیں؟ اسے فیصل کی آواز سنائی دی۔وہ بے آواز روتی رہی۔

آپی کیاہوا؟ کچھ بولیں۔فیصل کی آواز میں بے قراری تھی۔

فیصل مجھے بہت درد ہے۔زنیرہ نے سسکیوں سے روتے ہوئے کہا۔

کیا ہوا؟ کہاں ہیں آپ؟ در د کیوں ہے؟ عامر بھائی کہاں ہیں؟ فیصل نے تشویش سے پوچھا۔

روتے ہوئے زنیرہ نے اسے اپنے دانت کی سرجری کا مختصر احوال بتایا۔

مجھے بہت بخار ہے عامر کو آج آفس میں کام تھا۔وہ گھر نہیں آیا میں اس وقت بالکل اکیلی ہوں۔میرے پاس پانی بھی نہیں ہے دوا کھانے کے لیے۔اس نے بچوں کی طرح کہا۔

فیصل خاموش ہو گیا۔کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا:

عامر بھائی کو معلوم تھا آپ کی سرجری کا؟ تو اس کی آواز میں دبا دبا غصہ تھا۔

ہاں یا شاید نہیں! زنیرہ نے بے بسی سے کہا۔

آپی۔آپ میری بات غور سے سنیں۔سب سے پہلے آنسو پونچھیں۔رونے کا کوئی فائدہ نہیں۔اس نے کہا۔

پونچھ لیے؟

ہاں زنیرہ نے آنسو پونچھ کر سعادت مند ی سے کہا

اب اٹھ کر بیٹھیں، ہمت کریں۔اکیلی نہیں ہیں آپ، میں ہوں آپ کے ساتھ۔

زنیرہ اٹھ بیٹھی۔اسے ایک عجیب سی تقویت کا احساس ہورہا تھا۔

اٹھ کر کھڑی ہوں، اب آہستہ آہستہ دیوار کا سہارا کے کر چلنا شروع کریں۔فیصل نے اپنی بات جاری رکھی۔

اسی طرح ہدایات دیتے دیتے فیصل نے اسے کچن تک پہنچایا۔اس سے فریج کھلوا کر پانی بوتل نکلوائی۔

گلاس میں پانی نہیں ڈالنا بوتل لے کر واپس بیڈ روم میں جائیں۔اس نے کہا۔زنیرہ واپس آئی۔ فیصل کی ہدایت کے مطابق اس نے کسی روبوٹ کی طرح گلاس میں پانی انڈیلا اور ٹھنڈے پانی کا پورا گلاس پی گئی۔

ایک گلاس اور پئیں، شاباش! تھوڑا سا پانی ہاتھوں پر لگا کر اپنے چہرے پر پھیریں۔ فیصل نے حکم دیا۔

زنیرہ وہ سب کچھ کرتی گئی جو فیصل کہتا گیا۔پانی پی کر وہ تکیے کے سہارے لیٹ گئی ۔ایک سکون سا اسے اپنے رگ و پے میں اترتا محسوس ہورہا تھا۔

آرام سے لیٹی رہیں، میں آپ کے ساتھ ہوں۔فکر کی کوئی بات نہیں۔بس ابھی ٹھیک ہوجائیں گی آپ۔فیصل کہہ رہا تھا۔

فیصل باتیں کرتا رہا اور وہ سنتی رہی۔غنودگی اس کے حواس پر چھانے لگی۔

تمہیں کیسے پتا چلا؟ آخری بات جو اس نے نیند میں جانے سے پہلے پوچھی وہ یہ تھی۔ فیصل نے کیا جواب دیا۔اسے پتا نہ چل سکا۔اس کے بولنے سے پہلے ہی وہ نیند میں جا چکی تھی۔

☆...☆...☆

بیٹا تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا؟ عطیہ کہہ رہی تھیں۔

امی آپ لوگ کیا کرلیتے پریشان ہونے کے سوا؟ اور پھر میرا خیال تھا معمولی سا ٹریٹمنٹ ہو گا اور میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔سرجری کرنی پڑے گی یہ تو مجھے وہاں جا کر پتہ چلا۔زنیرہ نے کہا۔

ہمیں تو جب فیصل نے صبح فون کیا تو ہم بہت پریشان ہوئے۔عطیہ نے پریشانی سے کہا۔

ہاں امی! فیصل کا مجھے رات تین بجے فون آیا۔اسے کیسے پتہ چلا کہ میں تکلیف میں ہوں۔زنیرہ کو کچھ یاد آیا۔

وہ کہتا ہے اسے رہ رہ کر تمہارا خیال آرہا تھا۔جب وہ ایکسرسائز پر جانے کے لیے اٹھا تو اس نے سب سے پہلے تمہیں فون کیا۔عطیہ نے بتایا۔

وہ ہمیشہ سے ہی ایسا کیئرنگ ہے امی آپ کو یاد ہے جب میں شادی سے پہلے بہت بیمار ہو گئی تھی تو اس نے میرا کتنا خیال رکھا تھا۔اس نے پیار سے کہا۔

یاد ہے! اللہ تم بہن بھائیوں کا پیار اسی طرح سلامت رکھے۔عطیہ نے مسکرا کر کہا۔

بھائیوں کا نہیں صرف ایک بھائی کا۔عادل کو تو شاید یاد ہی نہیں کہ اس کی کوئی بہن بھی ہے۔زنیرہ نے سنجیدگی سے کہا۔

ایسی بات نہیں ہے۔بس وہ بہت مصروف رہتا ہے۔عطیہ نے صفائی دی۔

چلیں چھوڑیں امی دادی کیسی ہیں۔زنیرہ نے بات بدلی۔کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد زنیرہ نے فون رکھ دیا۔فون بند کیا ہی تھا کہ فیصل کی کال آنے لگی۔

کیسے ہو فیصل؟ زنیرہ نے پیار سے پوچھا۔

آپ کیسی ہیں؟ بخار اترا؟ دانت کادرد کیساہے ؟ اس نے آپ پر زور دے کر پوچھا۔

بہترہوں۔زنیرہ کادل بھر آیا۔

عامر بھائی ہیں آپ کے پاس؟ اس نے پوچھا۔

نہیں۔وہ آج کل ذرا مصروف ہیں۔زنیرہ نے اپنے آنسو اندر اتار لیے اور مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔فیصل خاموش ہو گیا۔

میں بھی نہیں آسکتا ابھی آپ کے پاس۔کچھ دیر بعد اس نے جیسے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

نہیں، نہیں میں ابھی ٹھیک ہوں۔ملازم ہیں میرے پاس۔تم فکر مت کرو۔زنیرہ جلدی سے بولی۔

کوئی پرابلم ہو تو مجھے کال کر دیجیے گا۔فیصل نے کہا۔

ضرور فیصل ضرور! زنیرہ کی آواز نم ہوگئی۔

جلدی سے ٹھیک ہو جائیں میرے پاسنگ آؤٹ میں صرف تین مہینے رہ گئے ہیں۔آپ کے بغیر پاس آؤٹ ہونے سے انکار کردوں گا میں۔اس نے معصومانہ انداز میں کہا۔

آف کورس فیصل میرے بغیر تم پاس آؤٹ ہو ہی نہیں سکتے۔ زنیرہ نے ہنس کر کہا۔

یار آپی! سورڈ آف آنرملنے کی بڑی امید ہے۔دعا کریں۔اس نے دبے دبے جوش سے کہا۔

واقعی؟ ہائے اللہ میں تو سو نفل مانوں گی۔زنیرہ کا دل خوش ہو گیا۔

کچھ دیر مزید گپ شپ کرنے کے بعد زنیرہ نے فون بند کر دیا۔اس کا دل ہلکا پھلکا تھا۔ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

میرا منا اتنا بڑا ہوا گیا ہے۔ماشااللہ اس نے مسکر اکر سوچا۔

وہ فون ہاتھ میں لیے بیٹھی مسکراتی رہی۔

کتنی خود ترسی میں مبتلا رہتی ہوں۔

ماں باپ دور ہیں، ایک بھائی پوچھتا نہیں، شوہر بے قدر اور لاپروا ہے، اولاد سے محروم ہوں۔لیکن ان سب محرومیوں کا مداوا اللہ نے مجھے فیصل کی شکل میں دے دیا ہے۔یااللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر۔یااللہ تیرا کروڑ ہاشکر۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

☆...☆...☆

ثنا نے سکیچ بنا کر ایک نظر مسجد پر ڈالی او ر رنگوں کا انتخاب کرنے لگی۔وہ بڑی دیر سے الیاس مسجد کے سامنے گاڑی میں بیٹھی تھی۔چشموں کے سنگم پر بنی ہوئی اس چھوٹی سی مسجد کا پانی بڑا مشہور تھا۔صاف شفاف چشموں کا پانی! ڈرائیور پانی کے کینز بھر کر لایا۔ثنا نے اپنی چیزیں سمیٹیں۔

گھر کے برآمدے میں کورئیر سروس کا نمائندہ کھڑا تھا۔ثنا نے اس سے لفافہ پکڑ کر دست خط کیے۔

امی یہ ابو اور آپ کے نام آیا ہے۔اند رآکر اس نے لفافہ امی کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

کیا ہے؟ کوئی دعوت نامہ لگتا ہے؟ مریم نے اشتیاق سے پوچھا۔امی نے لفافہ چاک کیا اور اند ر موجود دعوت نامہ نکال لیا۔

کاکول اکیڈمی کی پاسنگ آؤٹ کا انویٹیشن ہے۔انہوں نے بتایا۔تو مریم کو غش آگیا۔۔۔

یہاں پہلے دن رات کانوں میں پریڈ بجتی ہے اب تو خوابوں میں بھی پریڈ آنے لگی ہے۔میری توبہ جو ایک اور پریڈ دیکھنے جاؤں۔اس نے جل کر کہا۔

لیکن میں تو جاؤں گا آپا آپ چلو نہ ہمارے ساتھ۔علی مچل کر بولا۔

ہاں ضرور ویسے بھی میں کاکول اکیڈمی دیکھنا چاہتی ہوں۔ثنا نے کہا۔

لیکن صرف پی ایم اے ہی وہ واحد چیز نہیں ہوتی جو وہ دیکھنا چاہتی تھی، دن رات کی جو پریڈ ان کے ہمسائے میں ہوتی تھی ، وہ اس کا فائنل شو دیکھنا چاہتی تھی۔

شام کو سڑک کنارے پڑے فوجیو ں سے اسے ہم دردی ہو چلی تھی اور وہ اسے اپنے اپنے سے لگتے تھے۔وہ ان کی سپورٹ کے لیے جانا چاہتی تھی تاکہ ان کے لیے خوب تالیاں بجا کر حق ہمسائیگی ادا کر سکے۔

پریڈ ہوئی۔مختلف شعبوں میں کار کر دگی دکھانے والے کیڈٹس کے نام اناؤنس ہوئے اور پھر سورڈ آف آنر کا اعلان ہوا۔جی سی فیصل خان!

ثنا نے اپنے سے آگے دوسری قطار میں بیٹھے لوگوں کو خوشی سے کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے دیکھا اور جب فیصل خان سورڈ آف آنر لینے آیا تو وہ دم بہ خود رہ گئی۔

ارے اتنے خوب صورت لوگوں کو تو پیدا ہی نہیں ہونا چاہیے۔ کمپلیکس ہو جاتا ہے ان کو دیکھ کر۔اس نے گھر آکر مریم سے کہا۔

ایسا بھی کیا تھا اس میں؟ مریم نے بے نیازی سے پوچھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

واقعی بڑا ہینڈسم بچہ تھا ماشااللہ میں تو بعد میں اس سے ملی بھی تھی۔تم نے دور سے اس کا قد کاٹھ دیکھا تھا۔اس کی تو آنکھیں بھی سبز تھیں۔امی نے کہا۔

افوہ مجھے نہ بتائیں میں پہلے ہی جیلس ہورہی ہوں۔ثنا نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اور تھا بھی بڑا تمیز دار اور نرم لہجے والا مہذب خاندان کا لگتا تھا۔اس نے تعریف کی۔

خیر ہمیں کیا کون سا اس سے کبھی سامنا ہونا ہے جو ہم اس سے مرعوب ہوں۔ثنا نے کندھے اچکا کر کہا۔

خیر تم تو یہ مت کہو تم کسی سے کم تو نہیں۔اگر کبھی سامنا ہو بھی گیا تو ہوسکتا ہے وہ بھی تم سے مرعوب ہوجائے۔مریم نے کہا۔

انسانوں کی زندگی کا ایک ایک لمحہ نقشِ محفوظ کی طرح ان کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔کوئی گھڑی قبولیت کی ہوتی ہے ، کوئی رد دعا کی اور کوئی اس ان مٹ سچائی کی جو تقدیر کی گود سے پھسل کر انسانوں کی جھولی میں آگرتی ہے۔تقدیر انسان کی تدبیر پر مسکراتی ہے اورچپکے چپکے زندگی کی کہانی بنتی رہتی ہے۔کبھی اس میں بہت سے پھندنے ٹانک دیتی ہے ، کبھی جھٹکے سے دھاگا توڑ دیتی ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پاسنگ آؤٹ پریڈ کو پورا ایک ہفتہ گزرا تھا جب دروازے پر بیل ہوئی۔ثنا کو یوں لگا جیسے گھنٹی نے اسے آواز دے کر بلایا ہو۔وہ دروازے کی طرف چلی تو اس کا دل دھڑک دھڑک کر خطرے کی گھنٹی بجانے لگا۔اس کا رواں رواں گنگنانے لگا۔

دروازہ مت کھولنا اپنے آپ کو کھو بیٹھو گی۔اس کی چھٹی حس نے خبردار کیا۔

بھاگ کر دروازہ کھولو باہر تمھارا جیون کھڑا ہے۔اس کے وجدان نے خوشی سے جھوم کر کہا۔

گہرا سانس لے کر ثنا نے اپنے کانپتے ہاتھوں پر قابو پایا اور دروازہ کھول دیا۔وہ برآمدے میں دروازے کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔ثنا نے اس کا لمبا قد اور چوڑے شانے دیکھے۔اس کا چہرہ دیکھے بغیر بھی وہ جان گئی کہ وہ کون ہے۔وقت نے انگڑائی لی اور اس انمول لمحے نے جھک کر سرگوشی میں اسے بتایا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ مڑا۔

اف خدایا اس کی آنکھیں تو واقعی سبز ہیں۔ثنا کے دل نے دھڑک کر کہا کائنات کی سانس تھم گی اور اس سناٹے میں دونوں دم بہ خود کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ثنا نے اس کے کندھوں پر سجے ستاروں کو دیکھا ، فیصل نے اس کی آنکھوں میں چمکتے ستارے دیکھے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تو تو گئی ثنا! ثنا کے دل نے مایوسی سے کہا۔

مر گئے! فیصل کے دل نے فیصلہ سنایا۔

باغ میں سے ایک رنگ برنگے پروں والی چڑیا اڑ کر برآمدے میں لٹکے گملے کے پھولوں پر آبیٹھی۔چوں چوں چوں گویا کہتی ہو ،کچھ بولو ،کچھ بولو۔

اس کی آواز سے فیصل نے چونک کر اس کو دیکھا۔تو ثنا نے خفیف ہو کر نظر جھکائی

۔

فیصل نے کھنکار کر ہاتھ میں پکڑی فائل دوسرے ہاتھ میں منتقل کی اور دھیمی آواز میں پوچھا: قریشی صاحب ہیں ؟

مرے کو مارے شاہ مدار آواز بھی کتنی خوب صورت ہے۔ثنا نے سوچا۔

جی نہیں اس نے کہا۔فیصل کے کانوں میں گھنٹیاں بجیں۔

کب تک آئیں گے۔

معلوم نہیں۔

فیصل کی آنکھیں مسکرانے لگیں ، جگمگانے لگیں ، ہونٹوں کے گوشوں میں مسکراہٹ کی جنبش ہوئی۔

میں۔۔۔۔۔دوبارہ آجاؤں؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

جی۔۔۔۔۔ضرور ثنا نے اپنی مسکراہٹ چھپا لی۔

ضرور آنا اس کا دل پکارا۔

آؤں گا! ضرور آؤں گا۔بار بار آؤں گا۔فیصل کی آنکھوں نے مسکرا کر کہا۔

☆...☆...☆

اس رات اپنے بستر میں لیٹے ثنا نے مریم سے کہا:

آج میں اس سے ملی۔

کس سے؟

کتنی ہی دیر ثنا نے جواب نہ دیا۔کیا بتائے کون تھا وہ ؟ وہ تو صرف نام ہی جانتی تھی۔مریم نے کہنی کے بل اٹھ کر اپنی جڑواں بہن کا چہرہ دیکھا۔ان کی شکل و صورت ملتی تھی اور نہ ہی عادات لیکن ان کی روحیں آج بھی اس بندھن میں بندھی تھیں جسے ساتھ لیے وہ دنیا میں آئی تھیں۔وہ اپنی بہن کے دل کی بات بغیر کہے بھی جان سکتی تھی۔وہ سورڈ آف آنر والا؟ مریم نے پوچھا۔

ثنا چپ رہی۔

کہاں ملا؟ مریم نے ایک اور سوال کیا۔

گھر آیا تھا۔ابو سے ملنے۔ثنا نے دھیمی آواز میں کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پھر۔

مریم میں خود سے بہت شرمندہ ہوں۔میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔نہ مزاج نہ عادات۔صرف شکل و صورت دیکھ کرمیں، میں اتنی سطحی باتوں پر یقین تو کبھی نہیں رکھتی تھی۔۔۔ثنا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔کتنی ہی دیر دونوں کے بیچ میں خاموشی رہی۔

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ دنیا میں آنے سے پہلے عالم ارواح میں روحیں اکھٹی رہتی ہیں۔اور دنیا میں آنے کے بعد یہاں اپنے ساتھیوں کو پہچان لیتی ہیں۔جتنا قریبی تعلق وہاں ہوتا ہے ، اتنی ہی کشش انہیں یہاں ایک دوسرے میں محسوس ہوتی ہے۔مریم نے کہا۔

واقعی ؟ثنانے پوچھا۔

ہاں دیکھو نا تم جو بھاگ بھاگ کر پریڈ کے بعد سڑک پر پڑے فوجیوں کو دیکھنے جاتی تھی، تمہاری روح تمہیں کھینچ کرے جاتی تھیں کہ وہاں جاؤ، وہاں تمہارا روحانی ساتھی کسی کھڈے یا نالے میں سویا پڑا ہوگا۔مریم اسے فلسفیانہ انداز میں سمجھا رہی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دونوں ہنسنے لگیں۔ثنا نے تکیہ اٹھا کر مریم کو دے مارا۔کمرا ان کی نقرئی ہنسی سے گونج اٹھا۔

☆...☆...☆

کیا ہو گیا ہے مجھے ؟ فیصل نے سر جھٹک کر اپنے خیالات فوکس کرنے کی کوشش کی۔

اس طرح تو اس کے ساتھ کبھی نہیں ہو اتھا۔اس نے زندگی میں کئی لڑکیوں کو دیکھا تھا۔اپنے دل میں ان کی خوب صورتی، ذہانت یا ٹیلنٹ کو سراہا تھا لیکن یہ کیفیت تو اس کی کبھی نہ ہوئی تھی۔شام کو وہ ٹینس کھیلنے نکلا تو اپنے خیالوں میں گم پچھلے گراؤنڈ میں جا نکلا۔وہاں لڑکے فٹ بال کھیل رہے تھے۔وہ ریکٹ ہاتھوں میں لیے وہاں بیٹھا انہیں دیکھتا رہا۔میچ ختم ہو گیا ، اندھیرا چھا گیا، لڑکے گراؤنڈ سے چلے گئے، وہ پھر بھی وہاں بیٹھا خالی گراؤنڈ کو دیکھتا رہا۔

ہو ش کر فیصل پاگل ہو گیا ہے کیا؟ چل اٹھ اندر چل۔اس نے اپنے آپ کو ڈانٹا۔

کمرے میں آکر وہ کپڑے بدلے بغیر بستر میں لیٹ گیا۔

فیصل چل یار کھانے کے لیے آجا۔قورمہ پکا ہے آج میس میں۔یاسر نے دروازے میں جھانک کر آواز دی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نہیں۔مجھے بھوک نہیں۔تم لوگ جاؤ۔

تجھے بھوک نہیں ؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ تو شام کو ٹینس کھیلنے بھی نہیں آیا۔

ہاں بس کچھ سر میں درد تھا۔

اتنا نازک مزاج تو نہیں ہے تو ! زیادہ در د ہے ؟ دوائی لے لے چل کر

اویار کچھ نہیں بس سو جاؤں گا تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔

اچھا چل پھر تو سو جا۔

اس کے جانے کے بعد فیصل نے کروٹ بدل کر تکیہ سر پر رکھ لیا۔تھوڑی دیر ایسے ہی لیٹا رہا پھر فون اٹھا کر سارہ کو فون کیا۔

آپی مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔سلام دعا کے بعد اس نے جھجک کر کہا۔

ہاں بولو۔

وہ۔۔۔وہ سوچ میں پڑ گیا۔

کیاکچھ نہیں! میں کہہ رہا تھا کہ میں اس ویک اینڈ پر نہیں آسکوں گا۔اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔

کیوں

وہ۔۔۔مجھے کام ہے کچھ۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اچھا؟ چلو اگلے ویک اینڈ تو آؤ گے نا۔سارہ نے مایوسی سے کہا۔

کچھ کہہ نہیں سکتا۔

کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرکے ا س نے فون رکھ دیا۔بہت دیر فون ہاتھ میں لیے سر جھکائے بیٹھارہا۔پھر دوبارہ کال ملائی۔

عادل یارایک بات تو بتاؤ

دیکھو فیصل اگر تم پھر سے کوئی شادی کا شوشہ چھوڑنے لگے ہو تو۔۔۔عادل نے اس کب بات سے بغیر کہنا شروع کیا۔

نہیں، نہیں! تمہاری بات نہیں ہے۔میری بات ہے۔

تمہاری بات ہے۔

ہاں

کیا کر بیٹھے ہو؟

وہی تو سمجھ نہیں آرہا۔یہ بتاؤ تم love at first sight پہ یقین رکھتے ہو ؟

ہاں! کیوں نہیں۔آپ کو پہلی نظر میں کوئی لڑکی اچھی لگتی ہے۔پھر آپ کا دل اس سے شادی پر تل جاتا ہے۔پھر کچھ دن بعد آپ کو عقل آجاتی ہے۔وہ روانی میں کہہ رہا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اچھا! یہ فیلنگ آکر گزر جاتی ہے؟

ہاں ہاں! کچھ دن لگتے ہیں پھر آپ کو افاقہ ہو جاتا ہے۔ہر بیماری کی طرح اپنا وقت لے کر ٹلتا ہے یہ love at first sight بھی

love ہے یا زکام ؟ اچھا یہ بتاؤ تمہیں ہوا کبھی؟

کئی دفعہ

اس لیے تم شادی کے لیے نہیں مانتے؟

اوہو یار! وہ اور بات ہے۔

کیابات ہے؟

دیکھو شادی پوری زندگی کا معاملہ ہے۔ایسے ہی منہ اٹھا کر نہیں کر لی جاتی شادی ، کسی لڑکی کو دو تین سال تک اچھی طرح جانیں ، پرکھیں ، پھر شادی کریں۔

تو تم پرکھ لو کسی لڑکی کو۔فیصل بھی اس کی جان چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آرہا تھا۔

اب میں کچھ کہوں گا تو تم پھر امی اور دادی کو میرے پیچھے لگا دو گے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دو دن گزرے، چار دن گزرے، پوراہفتہ گزر گیا فیصل کو افاقہ نہ ہوا۔وہ آنکھیں بند کرتا تو آنکھوں کے آگے ایک معصوم چہرہ آجاتا ،آنکھیں کھولتا تو کانو ں میں میٹھی آواز گونجنے لگتی۔کیا کہاتھا اس نے جی نہیں

معلوم نہیں۔

جی ضرور۔

اور ان چند لفظوں نے اس کا چین چھین لیا تھا۔اس نے ایکسرسائز کا وقت بڑھادیا ،دوسروں کی ڈیوٹیاں دینے لگا ، لائبریری جانے لگا ، دوستوں میں زیادہ وقت گزارنے لگا۔مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔اب مصیبت یہ تھی کہ محبوب کی گلی جائے کس بہانے ؟ وہ فائل تو قریشی صاحب نے اسی دن اپنا چپڑاسی بھیج کر منگوالی تھی کس قدر efficient تھے محبو ب کے ابا۔پاسنگ آؤٹ ہو چکی تھی اس لیے پریڈ کو بھی مہینے کا بریک مل گیا تھا۔ورنہ وہ کسی بہانے پریڈ گراؤنڈ ہی چلا جاتا۔کمال ہو گیا یار war strategies میں میڈل جیتا تھا میں نے love strategies میں فیل ہورہا ہوں۔وہ دل میں سوچتا۔اسے بھلانے کی کوشش کرتا تو بھلایا نہ جاتا تھا اور اس سے ملنے کی کوئی تدبیر سوجھتی نہ تھی۔نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔دوستوں میں بیٹھتا تو سوچوں میں گم رہتا۔ان کے ساتھ باہر جاتا تو

گردن گھما گھما کر ادھر ادھر دیکھتا رہتا۔گویا کسی کو تلاش کر رہا ہو۔اس سے کچھ بن نہ پڑتی تھی اور وہ حیران و پریشان اپنے دل کو سمجھانے کی ناکام کوشش کرتا رہتا تھا۔

☆...☆...☆

شاید میں پاگل ہو رہی ہوں۔ثنا نے اپنا سر تھام کر سوچا۔

شام کو اس نے اپنے آپ کو لان میں پھولوں کے پاس کھڑے پایا۔تو ایک دم سے چونک گئی۔

یہاں کیوں آئی میں ؟اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

لیکن کوئی جواب نہ ملا۔وہ اپنے آپ سے ناراض ہو گئی۔

دن تھا کہ ادھیڑ بن میں گزرتا تھا ،رات تھی کہ خیالوں میں گزرتی تھی۔

میں دیکھ رہا ہوں فیصل تو بہت عجیب ہو گیا ہے۔آج کوئی بہانہ نہیں سنوں گا۔چل ہمارے ساتھ ذرا گھوم پھر کے آتے ہیں۔مونالیزا سے کافی پیئں گے۔یاسر نے کہا۔

کہاں ہے یہ تیری مونا لیزا؟ فیصل نے اسے بغیر دیکھے پوچھا۔

یار بڑا اچھا کیفے ہے۔پریڈ گراؤنڈ کے پاس

کہاں؟ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

پریڈ گراؤنڈ کے پاس، یار پہلے تو پریڈ کر کر کے ہمت نہیں رہتی تھی ادھر اُدھر دیکھنے کی۔اب ذرا یہ۔۔۔۔۔اس نے کچھ شوخ لہجے میں کہا۔

کب جارہے ہیں ؟ اس نے جلدی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

بس کوئی دو گھنٹے تک۔

ابھی چل! وہ تیزی سے اٹھتے ہوئے تو یاسر نے اسے حیرت سے دیکھا۔

ابھی اچھا چل پھر۔

بڑے دن بعد فیصل دل لگا کر تیار ہوا۔وہ پریڈ گراؤنڈ پہنچے۔ فیصل نے جان بوجھ کر اس کے گھر کے سامنے جیپ کو دو تین جھٹکے دیے اور جیپ روک دی۔

کیا ہوا ؟ دوستوں نے پوچھا۔

پتا نہیں۔انجن دیکھتا ہوں۔اس نے جیپ سے اتر کر اس کا بونٹ اٹھا لیا اور اس کی اوٹ میں کھڑا ہو کر ثنا کے گھر کی طرف دیکھنے لگا۔بڑی دیر دیکھتا رہا، کوئی نظر نہ آیا ، مایوس ہو کر اس نے بونٹ بند کیا اور پھر سے ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھا۔جیپ سٹارٹ کی اور وہ سب مونا لیزا پہنچے۔

ارے یہ تو اس کے گھر سے تین منٹ کا پیدل راستہ ہے۔اس نے خوش ہو کر سوچا۔

بھئی مجھے یہ کیفے بہت پسند آیا ہے۔اب یہاں روز آیا کروں گا۔اس نے دوستوں سے کہا۔

لفٹین صاحب! اتنی تنخواہ نہیں ہے آپ کی کہ آپ روز روز یہاں آکر کافی پیئں، عیاشی آپ اپنے ابا کے پیسوں پر کر سکتے ہیں۔اپنے پیسوں پر نہیں۔یاسر نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔

گڈ آئیڈیا! فیصل نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

واپسی پر جیپ ثنا کے گھر کے سامنے سے گزارتے ہوئے اس نے آہستہ کر لی اور سائیڈ ویو مرر میں یک ٹک اس کے گھر کی طرف دیکھتا رہا۔

کہاں جارہا ہے قریشی صاحب میں نہ ٹھونک دینا۔یاسر نے چلا کر کہا تو فیصل نے اس زور کی بریک لگائی کہ یاسر کا سر ونڈ سکرین سے جا ٹکرایا۔

ابے مارڈالا۔اس نے دہائی دی۔

لیکن فیصل کہاں سن رہاتھا۔وہ کود کر جیپ سے اترا اور دوڑ کر قریشی صاحب کو جالیا۔ان کے ساتھ شاید ان کی بیگم بھی تھیں ، فیصل نے غور نہیں کیا۔اس کی نظریں تو صرف ثنا کے چہرے پر تھیں۔وہ اسے دیکھ کر ذرا سا مسکرائی پھر اپنے ساتھ کھڑی لڑکی سے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہنے لگی۔فیصل نے قریشی

صاحب سے ہاتھ ملایا اور اپنا تعارف کروایا۔سر وہ میں کنٹونمنٹ ریکارڈ کی فائل لایا تھا آپ کے لیے۔اس نے کہا۔

وہ فائل تو میں نے تب ہی منگوا لی تھی۔قریشی صاحب نے کچھ حیران ہو کر کہا۔

جی جی! فیصل کو سمجھ نہ آیا اب کیا کہے۔نظریں تھیں کے ثنا کے چہرے کو دیکھنا چاہتی تھیں لیکن قریشی صاحب کے سامنے کھڑا وہ دل مسوس رہا تھا۔

جب آپ کا کام ختم ہو جائے تو میں لینے آجاؤں گا۔اس نے ایک اور کوشش کی۔

نہیں اس کی ضرورت نہیں۔میں خود بھجوا دوں گا۔یہ وار بھی خالی گیا۔

نو پرابلم سر، میں اکثر یہاں مونا لیزا آتارہتا ہوں۔آپ کو کوئی کام ہو ، میں حاضر ہوں۔

تھینک یو۔ضرورت ہوئی تو ضرور کہوں گا۔انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

مونا لیزا نے اچھا اثر ڈالاہے اس کی صحت پر تب سے چہک رہا ہے۔یاسر نے جب پی ایم اے واپس جاکر دوستوں کو بتایا تو سب کا ایک بھرپور قہقہہ پورے کمرے میں گونج اٹھا۔

☆...☆...☆

سن فیصل۔ایک لڑکی دیکھی ہے میں نے۔دادی نے فون پر فیصل کو کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میں نے بھی۔فیصل نے بھی جیسے دھماکہ کیا۔

عادل کے لیے؟ دادی نے پوچھا

نہیں اپنے لیے۔

چپ کر۔ہر وقت مذاق۔دادی خفا ہو گئیں۔

اب ہی تو میں سیریس ہوا ہوں۔وہ سنجیدگی سے ان کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

تو لاہور کب آئے گا ؟ دادی نے بے یقینی سے پوچھا۔

ہائے دادی کیسے آؤں ؟ کسی نے باندھ رکھا ہے مجھے یہاں۔دو تین مہینے تک آؤں گا۔فیصل کی آنکھوں کے آگے ثنا کا چہرہ آگیا۔

چلو اچھا ہے تب تک عطیہ بھی ٹھیک ہو چکی ہو گی۔دادی روانی میں کہہ گئیں۔

کیا ہوا امی کو؟ فیصل نے چونک کر پوچھا

ارے میرا بھلکڑ دماغ۔کچھ نہیں ہوا۔بالکل کچھ نہیں ہوا۔

دادی مجھے فوراً بتاتیں امی کو کیا ہوا ہے ورنہ میں کبھی آپ کو شکل نہیں دکھاؤں گا۔فیصل نے دھمکی دی۔

بیٹا بڑی بیمار ہے عطیہ۔تجھے بتانے سے منع کیا تھا تو خوامخوا وہاں بیٹھا پریشان ہو گا۔میرے منہ سے غلطی سے نکل گیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دادی نے ہتھیار ڈال دیے۔

امی سے بات کروائیں میری۔اس نے جلدی سے دادی کو کہا۔

سو رہی ہے وہ۔ان کا لہجہ اب دھیما تھا۔

لگتا ہے طبیعت زیادہ خراب ہے۔دادی میں کل ہی لاہو رکے لیے نکلتا ہوں ایک دن ہی رک سکوں گا۔آپ امی ابو کو بتا دیجیے گا۔اس نے گویا انہیں اپنا فیصلہ سنایا۔

دادی کا فون رکھ کر فیصل نے زنیرہ کو فون کیا اور اسے تیار رہنے کو کہا۔وہ آرمی کے ٹرک میں اسلام آباد تک چلا جاتا تھا اور پھر وہاں سے زنیرہ کو ساتھ لے کر اس کی گاڑی میں لاہو ر آجاتا تھا۔اس اچانک ٹرپ کا سن کر زنیرہ خوش ہو گئی۔

فیصل کی کمپنی میں وہ بہت خوش رہتی تھی۔وہ اسے جتنا ہنساتا تھا اسے لگتا تھا ایک مہینے کا ہنسی کا کوٹہ پورا ہو گیا۔اس نے خوشی خوشی کھانے پینے کی ڈھیروں چیزیں بنائیں، سینڈوچ، براؤنیز، روسٹ اور فیصل کی پسند کی کوکیز۔فیصل اپنی فٹنس کا بہت خیال رکھتا تھا۔کھانے پینے میں بہت احتیاط کرتا تھا۔ اس نے اپنے لیے چائے رکھی اور فیصل کیلئے تھرماس بھر کر دودھ، کسی یاد نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔فیصل کو دودھ بہت پسند تھا۔دو گھنٹے میں وہ پورا دیگچہ دودھ کا ختم کر دیتا۔ابو

نے اس کی خاطر گھر میں بھینس پال لی۔اس کا دودھ کا گلاس اتنا بڑا تھا کہ جگ لگتا تھا۔عادل اس کا مذاق اڑاتا۔

دودھ پیتے بچے ہی رہو گے یا بڑے بھی ہو گے؟ وہ پوچھتا۔

میں تو بڑھاپے میں بھی دودھ پیا کر وں گا۔فیصل سنی ان سنی کر دیتا۔

اپنے پوتوں پوتیوں کے فیڈر چھین کر۔عادل اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتا۔

بھئی مجھے تو جنت میں جانے کی سب سے بڑی وجہ ہی یہ ہے کہ وہاں دودھ کی نہریں بہتی ہوں گی۔میں تو دودھ کی نہر کے کنارے گھر بناؤں گا اپنا۔وہ سنجیدگی سے کہتا۔

اور میں رات کو جا کر دودھ کو جھاگ لگا دیا کروں گا۔ صبح دود ھ کی نہر کی جگہ دہی کی دلدل کھڑی ہو گی۔عادل چھیڑتا۔و ہ بھی ٹھیک ہے ایک دن لسی ہی سہی فرشتوں کیلئے ٹیکنیکل فالٹ ٹھیک کرنا کیا برا بلم؟ فیصل شاہانہ بے نیازی سے کہتا۔

زنیرہ نے اتنا کچھ کھانے کیلئے رکھ لیا تھا کہ فیصل دیکھ کر حیران ہو گیا۔

چار گھنٹے کا راستہ ہے چار دن کا نہیں اس نے یاد دلایا۔

راستے میں کہیں پکنک کیلئے رکیں گے۔زنیرہ نے کہا۔

کہاں؟ موٹر وے کے کنارے تو چند گاؤں ہیں جہاں بھینس بندھی ہوتی ہیں۔

یہ تو اور بھی اچھا ہے۔تمہاری بیسٹ فرینڈ بھینس۔زنیرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

ویسے آئیڈیا برا نہیں۔یہ دودھ کا تھرماس یہیں رہنے دیں، راستے میں تازہ دودھ خرید کر پئیں گے۔

سارا سفر ہنستے بولتے کٹا۔ایک دو مرتبہ فیصل نے اسے ثنا کے بارے میں بتانے کا سوچا لیکن پھر ارادہ بد ل دیا۔ابھی تو خود اس کے لیے کچھ واضح نہیں تھا۔وہ کس کو کیا بتاتا؟ اسے معلوم تھا زنیرہ بہت پر جوش ہو جائے گی اور سوال پر سوال پوچھنے لگے گی۔اس کے پاس کسی سوال کا جواب نہ تھا۔

عطیہ اپنے دونوں بچوں کو دیکھ کر خوش ہو گئیں۔

ایک ہفتے سے بستر پر پڑی ہے تمہاری ماں۔خدمت کر کرکے ہم تھک گئے انہوں نے ٹھیک ہونے کا نام نہ لیا۔بچے آگئے ہیں تو کیسے چہک رہی ہیں۔سرور نے انہیں بتاتے ہوئے کہا۔

بچوں پر تو ہمیشہ سے جان دیتی ہے عطیہ۔اب اکیلی ہوتی ہے تو ہمسائیوں کے بچوں کو بلوالیتی ہے۔راہ جاتوں کے بچوں کو پیار کرنے کھڑی ہو جاتی ہے۔دادی نے بھی جملہ مکمل کیا۔

زنیرہ کے چہرے کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔شاید یہ صفت اس نے امی سے ہی لی ہے۔اس نے سوچا اپنے بچپن سے ہی وہ چھوٹے بچوں پر جان دیتی تھی۔شاید اس لیے اللہ نے اس آزمائش کے لیے اسے چنا۔اب اس کا بھی یہی حال تھا۔راہ چلتے لوگوں کے بچوں کو پیار کرتی ، دوستوں کے بچوں سے دل بہلاتی۔

اللہ زنیرہ کو بچے دے۔پھر ہم دل بھر کر ان کو پیار کریں گے۔غیروں کے بچوں سے دل بہلانے کی نوبت نہیں آئے گی۔دادی سے دعائیہ انداز ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

امی آپ فکر نہ کریں آپ میری شادی کر دیں۔چھے سال میں میرے چھے بچے ہو جائیں گے تین آپی کو دوں، تین آپ کو۔آپ دل بھر کر ان سے پیار کیا کرنا۔ فیصل نے عطیہ کے کندھوں کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے لاڈ سے کہا۔

اور تم اور تمہاری بیوی کیا کرو گے ؟ عطیہ نے ہنس کر پوچھا۔

عیش! وہ عطیہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

کاش عادل ہی شادی کے لیے مان جائے۔دادی نے آہ بھری۔

واقعی فیصل تم اپنے بچے ہمارے پاس چھوڑ جایا کرنا ہمارا بڑھاپا سنور جائے گا۔ہم ان بچوں کو میکڈونلڈ لے جایا کریں گے اور رائیڈ پارکس ، ہم بھی خوش، تم بھی خوش۔ عطیہ نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

زنیرہ خاموشی سے سنتی رہی۔

فیصل تمہارے بال کیوں اتنے گر رہے ہیں ؟ عطیہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے پھیرتے رکیں۔

پتا نہیں امی۔کچھ نہ پوچھیں میں خود بڑا پریشان ہوں۔اس نے منہ بسور کر کہا۔

بڈھا ہو گیا لڑکا۔زنیرہ شرارت سے بولی۔

اسی لیے تو کہتا ہوں شادی کر دیں میری۔وہ بھی بڑھ بڑھ کر بول رہا تھا۔

ارے ہاں! عادل کے لیے بڑی اچھی لڑکی دیکھی ہے۔دادی شروع ہو گئیں۔

او خدایا! عادل نے شادی نہ کی تو میں تو کنوارہ ہی مر جاؤں گا۔فیصل نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

فوزیہ کے مصیبت کے دن اس طرح آئے اور کٹ گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ زندگی نے اپنا تار وہیں سے جوڑا جہاں سے ٹوٹا تھا۔آہستہ آہستہ اس کی زندگی واپس اسی ڈگر پر آنے لگی ۔اسے فیکٹر ی میں وہی نوکری دوبارہ مل گئی۔وہ دیانت دار

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اور محنتی ورکر تھی ، فیکٹری والوں نے بہ خوشی اسے اس کی پرانی جگہ پر بحال کر دیا۔جہاں زندگی کی اپنی ڈگر پر واپس آئی وہیں زندگی کے جنجال بھی لوٹ آئے۔ طاہر نے اپنے لفنگے دوستوں سے میل ملاپ دوبارہ شروع کردیا۔رو دھو کر ایف اے پاس کیا اور پڑھائی چھوڑ دی۔ کبھی کہیں کوئی کام کر لیتا ،مگر ٹک کر کہیں نوکری نہ کی۔وہ ماں کاخیال بھی رکھتا تھا ، کبھی کبھی گھر گھر میں پیسے بھی دے دیتا تھا۔مگر فوزیہ دیکھ رہی تھی کہ سامنے زندگی کی کوئی واضح راہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ پھر سے ادھر ادھر بھٹکنے لگا تھا۔طاہر کو اپنی پچھلی زندگی کی طرف مڑتے دیکھ کر فوزیہ کو یہ خیال ہولانے لگا تھا کہ شازیہ بھی وہی گل نہ کھلانے لگے۔وہ شازیہ پر چوبیس گھنٹے نظر نہیں رکھ سکتی تھی اس نے شد و مد سے شازیہ کیلئے رشتہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔

☆...☆...☆

جس رات فیصل زنیرہ کو لے کر لاہو ر پہنچا ، اس کے اگلے ہی دن صبح گھنٹی بجی۔ فیصل نے دروازہ کھوالا تو آگے فوزیہ اور طاہر کھڑے تھے۔فوزیہ نے خوشی خوشی سلام کیا ،طاہر بڑی نیاز مندی سے اس سے گلے ملا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

فوزیہ بیٹی کی شادی کا دعوت نامہ دینے آئی تھی۔آپ میرے لیے فرشتہ ہیں آپ میری مدد نہ کرتے تو میں مرجاتی۔میرے بچے رُل جاتے اس نے آنسو بھری آنکھوں سے سرور ،دادی اور عطیہ سے کہا اور دوپٹے سے اپنی آنکھیں پونچھیں۔ایسی کوئی بات نہیں۔مدداللہ کی طرف سے آتی ہے۔ہم نہ ہوتے تو وہ کسی اور کو بھیج دیتا۔سرور نے ان کا دل بڑھانے کے لیے کہا۔

میری بڑی درخواست ہے کہ آپ میری بیٹی کی شادی میں شرکت کریں، میں آپ سے پیسے مانگنے نہیں آئی۔کوئی اور مدد بھی نہیں چاہیے۔میرے لیے یہ بڑے اعزا ز کی بات ہو گی کہ آپ میرے گھر آئیں۔فوزیہ نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

کب ہے شادی؟ عطیہ نے پوچھا۔

اگلے مہینے کی چوبیس کو۔فوزیہ نے بتایا

اگلے مہینے تو میں کراچی جارہا ہوں۔سرور نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

ابو مجھے ان دنوں چھٹیاں ہوں گی اگر آپ نہ جا سکے تو میں چلا جاؤں گا۔فیصل نے انہیں شش و پنج میں دیکھ کر کہا اس نے ہمیشہ باپ کو کہتے سنا تھا کہ غریب کی دعوت ضرور قبو ل کرو۔

فوزیہ نے تشکر سے اسے دیکھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میری بڑی خوش قسمتی ہوگی جی۔وہ بار بار کہتی رہی۔

سرور نے اسے کچھ رقم شادی کیلئے دی۔دادی اور عطیہ نے کپڑے دیے پھر وہ اور طاہر بڑی احسان مندی سے ان کے آنے کا وعدہ لے کر رخصت ہوگئے۔

☆...☆...☆

ثنا، مریم اور علی شام کو ابو کے ساتھ واک پر نکلتے تو ابو پریڈ گراؤنڈ کے سامنے دائیں طرف مڑ جاتے ، مونا لیزا کیفے پریڈ گراؤنڈ سے بائیں طرف کو تھا۔ثنا مڑ مڑ کر اس طرف دیکھتی رہتی۔وہ مونا لیزا کی طرف دیکھتی اور مریم اس کی طرف۔ آخر مریم نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا۔

ثنا نے تشکر آمیز نظروں سے مریم کو دیکھا۔وہ مونا لیزا کی طرف چل پڑے۔کیفے کے آگے سے گزرے تو وہ انہیں باہر رکھی میزوں کی ایک کرسی پر وہ بیٹھا چائے پیتا نظر آیا۔اس کی نظر ثنا پر لمحے بھر کو ٹھہری مگر رک نہ سکتی تھی۔ابو تیز قدموں سے چلتے تھے۔اسے بھاگ کر ان کے ساتھ مل جانا پڑا۔اگلے دو دن بھی یہی ہوا۔ فیصل اسی جگہ بیٹھا تھا۔ثنا پھر بغیر رکے گزر گئی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دونوں نو جوان تھے، زندگی میں پہلی پہلی مرتبہ اس تجربے سے گزررہے تھے ۔اناڑیوں کو سمجھ نہ آتی تھی کہ کریں تو کیا کریں۔ثنا گم صم رہنے لگی، مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔اپنی سکیچ بک میں کچھ بناتی رہتی یا کتاب پکڑے سوچوں میں گم رہتی۔ آخر مریم کا صبر جواب دے گیا۔

پاگل ہو تم۔یہ دومنٹ کے فاصلے پر مونا لیزا، وہ روز وہاں آیا ہوتا ہے۔ایک مرتبہ جاکر اس سے پوچھو کیا چاہتے ہو؟ کیوں روز روز تمہارے راستے میں آتا ہے؟ اس نے ڈانٹا۔

کیسے پوچھوں؟ ثنا نے منہ لٹکا کر کہا۔

زبان سے پوچھو کیا معلوم وہ وہاں تمہارے لیے آتا ہے یا نہیں۔ مریم نے کہا۔

دیکھو بات کلیئر کرنا بہت ضروری ہے۔ثنا خاموش ہو گئی اور مریم کو اس پر ترس آگیا۔

اچھا تم فکر مت کرو میں کچھ کرتی ہوں۔اس نے دھیمی سی آواز میں کہا۔

اس دن شام ڈھلنے سے پہلے وہ دونوں گھر سے نکلیں اور مونا لیزا کی طرف چل پڑیں۔دور ہی سے انہوں نے فیصل کو اپنی مخصوص میز پر بیٹھے دیکھ لیا۔ہر روز کی

طرح وہ آج بھی اکیلا تھا۔فیصل کی نظریں ان دونوں پر پڑی تو اس کا چہرہ کھل اٹھا۔
وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کی طرف بڑھا۔مریم نے ثنا کے کان میں کہا:
بس بات کلئیر ہو گئی۔یہ تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔
ہیلو! شاید میں آپ سے کہیں مل چکا ہوں۔فیصل نے مصنوعی حیرانی سے کہا۔
اوہ رئیلی؟ ثنا نے جوابی معصومیت سے پوچھا۔مریم ان دونوں کے بیچ کھڑی بے یقینی سے باری باری دونوں کو دیکھ رہی تھی۔اف دیکھو ذرا ان دونوں کے ڈرامے۔
جی میں شاید ایک مرتبہ گھر آیا تھا آپ کے۔فیصل کہہ رہا تھا۔
اوہ ہاں یاد آیا۔کچھ دن پہلے شاید آپ ہی ملے تھے ابو کو ؟
مریم نے بے یقینی سے سر ہلا کر آسمان کو دیکھا۔
جی ہاں! آپ روز واک کو نکلتی ہیں؟ فیصل نے خوش ہو کر کہا۔
جی نہیں آپ روز یہاں آتے ہیں ؟ اس نے بھی بات بلاوجہ آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
نہیں تو! بس کبھی کبھی؟
ایک منٹ ایک منٹ! آپ کا نام فیصل ہے؟ مریم نے کہا۔
جی جی! فیصل نے گڑبڑا کر کہا۔

یہ ثنا ہے میں مریم ہوں۔ہم روز واک پر نکلتے ہیں اور آپ روز یہاں آتے ہیں۔ آپ کو ثنا سے جو کہنا ہے کہیے۔یہ دکھاوا بند کیجیے۔مریم کا صبر گویا جواب دے گیا تھا۔
ثنا نے کن اکھیوں سے فیصل کو دیکھا۔اسے یہ دیکھ کر بڑی تسلی ہوئی کہ وہ بھی ہکا بکا سا کھڑا تھا۔اسے اس صاف گوئی کی امید نہ تھی۔
کچھ نہیں کہنا آپ کو؟ اچھا تو پھر ہم چلتے ہیں۔آؤ ثنا۔مریم نے کہا۔
ارے سنیے! مجھے کچھ کہنا ہے۔فیصل کو ہوش آیا تو وہ ان کے پیچھے لپکا۔
جی فرمایئے ؟ مریم نے رک کر پوچھا۔
ثنا سے کہنا ہے۔اس نے کہا۔
تو کہیے! مریم بولی۔
آپ کے سامنے کہہ دوں؟ فیصل نے خفیف سے لہجہ میں پوچھا۔
جی بالکل۔
پرائیویٹ بات ہے۔فیصل ابھی بھی کنفیوژ تھا۔
ہم اجنبیوں سے پرائیویٹ باتیں نہیں سنتے۔مریم کا لہجہ ٹھوس تھا۔
میں اجنبی نہیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

خیر آپ کی بات اس لیے سن لیں گے کیوں کہ آپ کو سورڈ آف آنر ملا ہے۔ آپ عزت دار آدمی ہیں۔اچھا تو کہیے۔

مریم اسے جیسے بولنے کی اجازت دی ہو۔

ثنا! فیصل نے ثنا کو مخاطب کیا۔

جی! وہ جو آرام سے کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی، گڑبڑا کر بولی۔

فیصل نے اس کی آنکھوں میں چمکتے جگنو دیکھے۔الفاظ اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔دم بہ خود کھڑا وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

ہمارا وقت ضائع کرنے کا شکریہ۔مریم نے کہا اور ثنا کا ہاتھ پکڑ کر تیز تیز قدموں سے گھر کو چل دی۔جاتے جاتے ثنانے مڑ کر دیکھا۔اسے ہونٹوں کے گوشے مسکرائے۔فیصل کو جیسے کسی نے آس کی ڈور تھما دی، خوشی کا پیغام دے دیا، زندگی کی خوش خبری سنا دی۔اس کا دل کھل اٹھا۔

فیصل نے ملٹری جیکٹ کی زپ بند کی اور آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔باہر صبح طلوع ہو رہی تھی۔اس نے بڑھ کر پردہ ہٹایا اور کھڑکی کھول دی۔عین اس کی کھڑکی کے نیچے کیڈٹس کا ایک دستہ دھپ دھپ گوریلا مارچ کرتا گزررہا تھا۔وہ انہیں دیکھتارہا ۔دور ایک دوسرے گراؤنڈ میں فرسٹ ائیر کے نئے آئے لڑکے قلابازیاں لگارہے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تھے۔فیصل کے ہونٹو ں پر مسکراہٹ آگئی۔چشمِ تصور میں اس نے اپنے آپ کو اس جگہ دیکھا اورہنس پڑا۔اس کے دل میں ان پہاڑوں ، اس اکیڈمی اور یہاں کے لوگوں کیلئے محبت کا چشمہ ابل پڑا۔

وطن کی محبت انسان کے ضمیر میں اس طرح گوندھ دی گئی تھی جیسے ماں باپ کی محبت یا اولاد کی محبت۔یہ پہاڑ کئی سالوں سے اس کا وطن تھے۔اسے ان سبزہ زاروں سے، یہاں کی معطر فضاؤں سے ، صاف شفاف ہواؤں اور قلقل بہتے چشموں سے انس تھا۔قلابازیاں کھانے والے لڑکے اب کھڑے ہو گئے تھے۔ایڈ جوائنٹ نے چیخ کر کچھ کہا اور وہ سب بھاگنے لگے۔

come on gentlemen cadets، ابھی تو یہ شروعات ہے۔فیصل نے ہنستے ہوئے دل میں سوچا۔

اس نے پلٹ کر آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔اپنی ٹوپی اپنے سر پر جمائی اور دھیرے سے اپنے عکس سے بولا:

come on Lt Faisal sarwar khan ابھی تو یہ شروعات ہے، ایک طویل اور تاب ناک کیریئر کی شروعات!

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا تو اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا، تب سے وہ آرمی کے خواب دیکھتا آیا تھا۔ بچپن سے اس اس قسم کے کام اچھے لگتے تھے۔اس کا کمرہ کھلونا بندوقوں سے بھرا ہوا تھا۔وہ فرضی دشمنوں کے ساتھ جنگیں لڑتا ، اونچے اونچے درختوں پر چڑھ کر انہیں جہاز بنا لیتا اور دشمنوں پر بمباری کرتا۔سکول میں لیڈر بن کر بڑے لڑکوں سے چھوٹے بچوں کو بچاتا، زنیرہ اور اس کی سہیلیوں کا باڈی گارڈ بن کر انہیں ہر جگہ لے جاتا۔وہ ساری زندگی ایتھلیٹ رہا۔گھر میں اس کے کمرے کی الماری تمغوں سے بھری پڑی تھی۔عادل کتابی کیڑا تھا۔پہلے اس نے انجینئرنگ یونیورسٹی میں ٹاپ کیا، پھر سکالرشپ پر امریکہ چلا گیا۔فیصل نے پانچویں جماعت میں ہی ماں باپ کو بتا دیا کہ وہ آرمی میں جائے گا۔سرور کو تو اس کیریئر انتخاب پر کوئی اعتراض نہ تھا مگر عطیہ پریشان ہو گئیں۔وہ لاڈلے بیٹے کو نگاہوں سے دور نہ کرنا چاہتی تھی۔ان کے بر عکس سرور سخت حوصلہ باپ تھے۔انہوں نے بیٹوں کی تربیت اپنے انداز میں کی تھی۔گھر میں گاڑی تھی، ڈرائیور تھا لیکن وہ بیٹوں کو دس دس روپے دے کر کہتے، جاؤ ویگن پکڑ و اور چلے جاؤ جہاں جانا ہے۔
بیٹوں کو دنیا میں گزارہ کرنا سکھانے کیلئے انہیں دنیا میں پھینکنا ضروری تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یا تو بیٹے کو کچھ بنا لو یا اسے ساری زندگی گود میں بٹھائے رکھو۔انہوں نے عطیہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔
یوں فیصل نے ساتویں جماعت کے بعد کیڈٹ کالج حسن ابدال کا امتحان دیا اور ہزاروں لوگوں میں پانچویں پوزیشن حاصل کر کے ہاسٹل چلا گیا۔
کئی دن تک عطیہ روتی رہیں اور زنیرہ انہیں تسلیاں دیتی۔انہیں ایک ہی بات کی فکر تھی وہ ابھی چھوٹا ہے۔لیکن جب وہ پہلی مرتبہ فیصل سے ملنے اس کے پاس حسن ابدال گئے تو اسے وہاں رہتا دیکھ کر حیران رہ گئے۔کتنا خود مختار ہو گیا تھا وہ۔ خود ہی بستر بنانا، کپڑے ، تولیے ، جوتے اپنی جگہ پر رکھنا، وقت کی پابندی، پڑھائی کی روٹین، فزیکل ٹریننگ، وہ ہر چیز بہت تیزی سے سیکھ گیا تھا۔یہی وہ زندگی تھی جس میں وہ خوش تھا۔واحد چیز جسے وہ کنٹرول کرنے میں ابھی تک ناکام تھا ، وہ اس کی شرارت کی رگ تھی جو پھڑکنے پر آتی تو اسے نتائج اور انجام سب بھلا دیتی ۔چھوٹی چھوٹی شرارتیں چھوٹی چھوٹی سزاؤں پر ٹلتی رہیں۔ گراؤنڈ کے چھے چکر ، ساٹھ سیکنڈ میں پچاس پش اپس یا چار سو میٹر سپرنٹ۔وہ فٹ بال ٹیم کا کپتان تھا، ایتھلیٹ تھا ،کالج بینڈ میں کلارنیٹ بجاتا تھا اور شرارتی ٹولے کا ہیڈ تھا۔وہ میٹرک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میں پوزیشن لے کر ایف ایس سی میں آیا۔کچھ سینئر ہو جانے کا نیا نیا غرور، کچھ پہ در پہ کامیابیوں کا اعتماد، اس کی دلیری عروج پر تھی۔

اس دلیری نے اسے وہ دن دکھایا جسے یاد کر کے وہ آج بھی ہنس پڑتا تھا۔کالج میں چھٹیاں تھیں اور فرسٹ ائیر کے امتحان ہونے والے تھے۔کالج میں فرسٹ ائیر اور میٹرک کے طلبہ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔فرسٹ ائیر کے لڑکے ڈیٹ شیٹ کا انتظار کررہے تھے۔پڑھائی زوروں پر تھی کیوں کہ صرف دو ہفتے بعد امتحان متوقع تھے۔ جب ڈیٹ شیٹ آئی تو معلوم ہوا کہ امتحان تو چھے مہینے بعد ہیں۔اس دن ان کے کامن روم میں جشن منایا گیا۔پورا دن کسی نے کتابوں کو ہاتھ نہ لگایا۔سب لڈو اور کیرم کھیلتے اور گپیں لگاتے رہے۔

میری پڑھائی تو سمجھو مکمل ہے۔میں تو اب ایک ہفتہ ریسٹ کرکے پھر پڑھائی شروع کروں گا۔ایک لڑکے نے جسے اس کی لمبی ٹھوڑی کی وجہ سے گنڈیری کہا جاتا تھا کہا۔

ہاں یار اب پڑھنے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا۔فیصل نے کہا۔

چلو فلم دیکھنے چلیں۔گنڈیری نے جوش سے کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پاگل ہو گئے ہو؟ پکڑے جاؤ گے۔ان کے گروپ کے سب سے ہوش مند لڑکے عدنان نے وارننگ دی۔

اس کی اس بات نے کام کیا۔چیلنج تو پھر چیلنج تھا۔تین چار دن تک پلاننگ کی جاتی رہی۔فرار کے لیے دوپہر کا وقت چنا گیا۔جب ٹائم آؤٹ ہوتا تھا اور سب طلبا اپنے کمروں میں آرام کے لیے بھیج دیئے جاتے تھے۔کالج کی پچھلی دیوار پہاڑی کے دامن میں تھی جہاں سے ایک خوب صورت چشمہ کالج میں داخل ہوتا تھا، وسیع و عریض گراؤنڈ میں بہتے ہوئے وہ بائیں طرف کی دیوار سے باہر نکلتا تھا۔پہاڑی کے دامن میں بنی ہوئی یہ دیوار سنسان رہتی تھی جس کے پیچھے کافی فاصلے سے چیک پوسٹس بنی تھیں، اور وقفے وقفے سے ملٹری پولیس وہاں گشت کرتی تھی۔ان کے گشت کے اوقات نوٹ کئے گئے اور پوری پلاننگ کر کے ایک دن آٹھ دس لڑکے دوپہر کے دو بجے اس چشمے میں اتر گئے جو پہاڑی سے اتر کر گراؤنڈ میں بہتا تھا۔ جہاں سے چشمہ گراؤنڈ میں داخل ہوتا تھا، وہاں دیوار میں ایک سوراخ بنایا گیا تھا جو بہت بڑا تو نہ تھا، مگر اتنا ضرور تھا کہ اس میں سے ایک شخص کسی نہ کسی طرح سکڑ سمٹ کر نکل سکتا۔کسی نہ کسی طرح یہ جوشِ جوانی میں اس میں سے نکلے اور بس اڈے کی طرف دوڑ لگا دی۔اس دوڑ سے کپڑے بھی سوکھ گئے اور خیریت سے

بغیر چوکی دار کی نظروں میں آئے وہ بس اڈے پہنچ گئے۔بس اس سے آگے کی منزلیں بہت آسان تھیں۔بس اڈے سے ویگن پکڑی اور پنڈی اترے۔سینما پہنچ کر جو فلم لگی نظر آئی ، اس کی ٹکٹیں خرید لیں، فلم بہت بکواس نکلی لیکن ایڈونچر کی کامیابی نے سب پر جوش کا جو عالم طاری کر رکھا تھا، اسے ردی سے ردی فلم بھی نہ اتار سکتی تھی۔

وہاں تو یہ لڑکے فخر نشے میں مخمور ، بوتلیں اور چپس کے پیکٹ ہاتھ میں لیے پاؤں اگلی سیٹوں کے پشت پر چڑھائے وہ بکواس فلم دیکھنے میں مگن تھے۔ادھر کسی بد خواہ نے بس اڈے سے کالج فون کر دیا۔

کچھ سٹوڈنٹس دیکھے ہیں ہم نے یہاں ،پنڈی والی ویگن میں بیٹھے، کہیں آپ کے کالج کے تو نہیں ؟ اس نے تیلی لگائی۔

ایڈجوائنٹ کیپٹن آفریدی جو عام حالات میں بھی آپے سے باہر ہی رہتا تھا ، اسے گویا دورہ پڑگیا۔سارے کالج میں گھنٹی بج گئی۔تمام سٹوڈنٹس کو کمروں سے نکل کر گراؤنڈ میں لائن حاضر ہونے کا حکم ہوا۔اس دن پی ٹی ٹریننگ کی باری تھی۔اس لیے سب پی ٹی یونیفارم پہنے گراؤنڈ میں صف آراء ہو گئے۔ اب ان کی گنتی شروع ہوئی۔

عدنان ملک جو اپنی ہوش کو جوش پر ترجیح دینے کی عادت کے سبب فلم دیکھنے نہیں گیا تھا ، اس نے اس موقع پر بھی ہوش مندی کا ثبوت دیا، چھپتا چھپاتا کالج میں موجود ٹیلی فون کے پاس گیا اور اس سینما میں کال کر دی جہاں اس کے دوست بیٹھے بکواس فلم دیکھ رہے تھے۔

ادھر فلم چل رہی تھی، بوتلیں اور چپس اڑائے جارہے تھے ، خوش گپیاں ہورہی تھیں اچانک اوپر سے کسی نے فلم کا پرنٹ چلانے والا کھٹارا ٹیل پرنٹر پر ہاتھ رکھ کر فلم سکرین کو اندھیرا کر دیا اور اوپر گیلری سے آواز آئی۔

یہاں کیڈٹ کالج حسن ابدال کے کوئی طالب علم موجود ہیں ؟ آپ کے کالج میں پتا چل گیا ہے آپ کو فوراً واپس بلایا ہے۔

پیروں کے نیچے سے زمین نکلنا، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جانا، آسمان ٹوٹ پڑنا ، یہ وہ محاورے تھے جو آج تک وہ جملوں میں استعمال کرتے آئے تھے۔ان کا اصلی مطلب کیا ہوتا ہے ، یہ انہیں اب سمجھ میں آیا۔ان کے ہاتھوں سے بوتلیں گر پڑیں۔سارا ہال مڑ مڑ کر انہیں دیکھنے لگا۔گرتے پڑتے، رپٹتے، کرسیوں اور اپنے ہی پیروں میں الجھتے ، ایک دوسرے کو دھکیلتے وہ واپس بھاگے۔لمبی دوڑ لگا کر بس اڈے پہنچے، ویگن پکڑی، حسن ابدال کے بس اڈے پر اترے، وہاں سے دوڑے سیدھا

چشمے والی دیوار کے سوراخ سے اندر داخل ہوئے۔چھپتے چھپاتے اپنے کمروں تک پہنچے ، ہبڑ دبڑ میں پی ٹی یونیفارم چڑھایا اور افتاں و خیزاں گراؤنڈ میں جا پہنچے۔

کہاں سے آرہے ہو؟ کیپٹن آفریدی نے کڑک دار آواز میں پوچھا

ہم کمروں میں تھے سر۔گنڈیری نے معصومیت سے کہا۔

یس سر! ہمیں گھنٹی نہیں سنائی دی۔فیصل نے تائید کی۔

تمہاری ایسی کی تیسی ، گھنٹی نہیں سنائی دی؟ کیپٹن آفریدی نے لال بھبھوکا ہو کر کہا۔

قصہ مختصر باقی تمام سٹوڈنٹس کو اندر بھیج دیا گیا اور یہ آٹھ دھر لیے گئے۔تین چار گھنٹے تک خوب رگڑا لگا۔نان سٹاپ قلابازیاں اور گراؤنڈ کے چکر لگوانے کے بعد انہیں لائن میں کھڑا کر کے مژدہ سنایا گیا کہ انہیں دو ہفتے کیلئے معطل کر دیا گیا ہے۔

فیصل گھر پہنچا تورات ہو چکی تھی۔دادی گھر میں اکیلی تھیں اور لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔فیصل نے باہر سے کھڑکی کا شیشہ کھٹکھٹایا۔

دادی ڈر گئیں، پھر انہیں فیصل کا چہرہ کھڑکی میں طلوع ہوتا دکھائی دیا۔وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئیں اور فوراً دروازہ کھولا۔ان سے امی ابو کو کچھ نہ بتانے کا وعدہ لے کر وہ چپکے سے کمرے میں جا کر سو گیا۔

اگلے دن عطیہ اور سرور دیکھ کر حیران ہوئے تو اس نے بڑی معصومیت سے انہیں گھر آنے کا جواز پیش کیا۔

امتحان ہونے والے ہیں نا۔کالج والوں نے کہا گھر جا کر پڑھائی کرو۔

ماں باپ نے یقین کر لیا۔لیکن ایک بات پر وہ حیران تھے۔ فیصل میں و ہ شوخی اور شرارت غائب تھی جو اس کی طبیعت کا خاصہ تھی۔وہ چپ چاپ سا تھا۔انہوں نے اسے امتحان کی ٹینشن پر سمجھ کر ٹال دیا۔دو دن فیصل نے اپنے کمرے میں کتابوں میں سر دیے گزار دیے۔دوسرے دن رات کو سرور اس کے کمرے میں آکر اس کے سامنے بیٹھ گئے۔پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟ انہوں نے پوچھا۔

ٹھیک ابو! فیصل نے جواب دیا۔

اور فلم کیسی تھی ؟انہوں نے ٹھنڈے لہجے میں پوچھا۔

کک۔۔۔۔کون سی فلم ابو؟ فیصل کے ہاتھ سے کتاب گر گئی

وہی جسے دیکھنے کے لیے تم کالج سے فرار ہوئے تھے اور پھر پکڑے گئے، اور جس کی پاداش میں تمہیں معطل کر دیا گیا ہے۔انہوں نے ہاتھ میں پکڑا حسن ابدال کیڈٹ کالج کی مہر والا لفافہ اس کے سامنے لہرایا۔

اس واقعے نے فیصل کے دل و دماغ پر ایک عجب سا اثر ڈالا، اتنی بے عزتی اسے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔وہ ہمیشہ ٹاپ کرنے والا لڑکا تھا، فٹ بال ٹیم کا کیپٹن ، امتحان میں اول ،ریس میں اول، گھڑ دوڑ میں اول۔اس واقعے نے اس کا دماغ ساتویں آسمان سے اتار کر زمین پر گرا دیا۔یہ زندگی کا وہ پہلا سبق تھا جو اس نے فیصلہ کرنے کی قوت کے بارے میں سیکھا۔ہر عمل کا ردِعمل ہے اور ہر فیصلے کے نتائج ہیں جو لازمی طور پر فیصلہ کرنے والے کو بھگتنے پڑتے ہیں۔یہ سبق کتابوں میں لکھا ہوا ضرور پڑھا تھا ، مگر آج زندگی نے تجربے کی شکل میں سکھایا تھا۔یہ کبھی نہ بھولنے والا سبق تھا۔پی ایم اے کے باقی سال نے یہ سبق دہراتے گزارے ۔شرارت، کھلنڈر پن ،جرات ، دلیری اسی کی فطرت تھی، اس کی رگوں میں پارہ بھرا تھا، اسے وہ دبا نہیں سکتا تھا لیکن احساس ذمہ داری وہ خوبی تھی جو اس میں اس واقعے نے پیدا کر دی۔اور اب، جب کہ اس کے کیڈٹ ہونے کے دن گزر

گئے تھے اور وہ پاکستان آرمی کا کمیشنڈ آفیسر تھا ، وہ اپنے آپ کو بہت سی چیزوں کا خود بہ خود مکلف سمجھنے لگا تھا۔

☆...☆...☆

زنیرہ نے پردے ہٹائے اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔بہت خوب صورت موسم تھا ۔کئی روز کی گرمی کے بعد آج بادل چھائے تھے۔اس نے کھڑکی کھول دی۔ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر آیا اس نے مسکرا کر صبح کی تازہ ہوا میں جھومتے درختوں اور چہچہاتے پرندوں کو دیکھا۔موسم نے اس کا موڈ خوش گوار کر دیا تھا۔اس نے بستر کی چادر درست کی اور باہر نکل آئی۔صفائی کرنے یا چیزیں سمیٹنے کا کام گھر میں ہوتا نہیں تھا۔بس یونہی بلا مقصد چیزوں کو ادھر سے اٹھا کر ادھر رکھتے ہوئے اس کی نظر ڈرائینگ روم کے کھلے دروازے پر پڑی۔اس نے اندر جھانکا، میز پر گلاس پڑے تھے جن میں تھوڑی سی کوک بچی تھی۔اس نے مڑ کر سٹڈی کے دروازے کی طرف دیکھا۔عامر رات کو لیٹ آتا تھا تو کمرے میں آکر اسے ڈسٹرب کرنے کی بجائے سٹڈی میں سو جاتا تھا۔ڈرائنگ روم میں گلاس کی موجودگی کا مطلب تھا وہ رات گئے آیا تھا اور اس کے اس کے چند دوست بھی تھے۔زنیرہ اندر جا کر گلاس اٹھانے لگی۔اسے مہمانوں کا آنا ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔اسے ایک ہنستے بستے گھر کا احساس

ہوتا تھا۔چیزیں اٹھانے رکھنے کی فرحت بخش مصروفیت گھر کے سونے پن کو کم کر دیتی تھی۔اس نے گلاس اٹھا کر کچن میں رکھے۔ایش ٹرے صاف کرنے کے ارادے سے اٹھایا تو اس کے پاس اسے عامر کا فون پڑا نظر آیا۔

اوہو! یہ فون عامر یہیں بھول گیا۔اس نے فون اٹھاتے ہوئے سوچا۔

فون لیے وہ لاؤنج میں چلی آئی۔فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس نے اخبار اٹھا لیا۔ اسی وقت فون وائبریٹ ہوا۔کوئی میسج آیا تھا۔زنیرہ نے بے خیالی میں فون اٹھا کر دیکھا۔

گڈ مارننگ ڈارلنگ! میسج کے آگے دل کا نشان بنا ہوا تھا۔

ایک تو یہ رانگ نمبر بھی نا... پیار کا مسیج بھیجو کسی کو اور چلا کسی اور کو جائے۔Too bad وہ مسکرائی۔

مسکراتے ہوئے اس نے میسج کھولا۔کسی منور کی طرف سے میسج تھا۔زنیرہ کا تجسس ذرا بڑھا۔منور تو عامر کے والد کا نام تھا۔کیا والد صاحب کسی کو محبت بھرے مسیج بھیج رہے تھے۔وہ شرارتی بچے کی طرح ہنس پڑی۔دیکھو ذرا، ابا جان کا سیکرٹ میسج عامر کو آگیا۔اس نے میسجز کی لسٹ کھولی۔اس کی مسکراہٹ منجمد ہو گئی۔منور کی طرف سے رومانی میسجز کی بھر مار تھی۔اس نے تیزی سے کانٹکٹس کھولے۔وہاں

ابو کے نام سے ان کا نمبر موجود تھا ، پھر اس نے منور کا نام کھولا۔یہ ابو کا نمبر نہیں تھا۔اس کا دل بیٹھنے لگا۔یہ کیا ہورہا تھا ؟ اس نے کال لسٹ چیک کی تو اس کا سر چکر ا گیا۔دن میں پندرہ پندرہ کالیں اسی نمبر پر کی گئیں تھیں یا ریسیو کی گئی تھیں۔دھڑکتے دل کے ساتھ وہ یہ سب دیکھتی رہی۔نظر اٹھا کر اس نے سٹڈی روم دیکھا۔دروازہ بند تھا۔وہ بھاگ کر بیڈروم میں آئی اور اپنا فون اٹھا لیا۔کچھ دیر ہمت مجتمع کرتی رہی۔ایک مرتبہ پھر سٹڈی کی طرف جھانکا اور منور کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

ہیلو کسی لڑکی کی کھنکتی ہوئی آواز آئی۔

زنیرہ نے فون کاٹ دیا۔اس کے بدترین خدشے کی تصدیق ہو گئی تھی۔

☆...☆...☆

بڑا سی کے حسین سبزہ زار کا سکیچ بناتے بناتے ثنا نے نظر اٹھا کر دیکھا۔اس سے تھوڑی دور علی اور مریم بال سے کھیل رہے تھے۔حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا سبزہ ، ترائیاں ، پگڈنڈیاں ، دور سے گڑیوں کے گھر نظر آتے چھوٹے چھوٹے مکان۔کیسی سکون آور خاموشی تھی۔اس نے اپنے سکیچ کو دیکھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سبزے کے کئی شیڈ بھرنے ہوں گے اس سکیچ میں ، اس نے سوچا۔اس کی آنکھوں کے آگے سبز آنکھیں آگئیں۔ویسا شیڈ ہے تمہارے رنگوں میں؟ کسی نے چپکے سے اس کے کان میں کہا۔

نہیں! وہ مسکرادی، وہ سبز دھوپ میں کچھ اور لگتا ہے، چھاؤں میں کچھ اور ، کسی کے پاس بھی نہیں ہے ویسا شیڈ۔ہاں مگر بس اس کے پاس۔

اس نے سکیچ ہاتھ سے رکھ دیا اور گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر سر گھٹنے پر ٹکا لیا۔ اس کے دل پر سبز رنگ چھا رہا تھا۔اب وہ ڈرائینگ نہیں بنا سکتی تھی۔

☆...☆...☆

زنیرہ دم بہ خود تھی۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔دو تین دن اس نے اسی بے یقینی میں گزارے۔عامر غصے کا قدرے تیز تھا۔اس نے کبھی کسی عورت سے اسے زیادہ فرینک ہو کر باتیں کرتے نہ دیکھا تھا۔نہ تو اس کی بہن بھائیوں سے زیادہ بنتی تھی نہ ہی اس کے بہت سے دوست تھے۔وہ ان مردوں پر بڑھ چڑھ کر باتیں بنایا کرتا تھا جو غیر عورتوں سے دوستیں لگاتے تھے یا افیئر چلاتے تھے۔شادی کے نو سالوں میں زنیرہ نے کبھی شکی بیویوں کی طرح اس کا فون چیک نہیں کیا ، نہ ہی اس کے دفتر فون کرکے اس کی ٹوہ لینے کی کوشش کی۔جب کبھی وہ رات کو گھر نہیں آتا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تھا۔وہ ایک دو مرتبہ حال چال پوچھنے یا کوئی ضروری بات کرنے کے لیے آفس فون کرتی تھی تو وہ وہیں ہوتا تھا۔زنیرہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس کی ناک کے نیچے یہ کھیل کھیل رہا ہے۔اس نے ہر روز اس کا فون چیک کرنا شروع کر دیا۔ جو نمبر منور کے نام سے محفوظ تھا۔اس پر بے تحاشا کالز آئیں اور گئیں۔اس کے علاوہ ایک نمبر جو ایس عثمان کے نام سے محفوظ تھا ، اس سے بھی معمول سے زیادہ کالز ریسیو کی گئی تھیں۔یہ نمبر لینڈ لائن کا تھا۔زنیرہ نے اس پر فون کیا تو وہ ایک بینک کا نمبر نکلا۔ایس عثمان سے بات کروا دیجیے۔زنیرہ نے اندھیرے میں تیر چلایا۔ یہاں تو دو ایس عثمان ہیں۔آپ کو کن سے بات کرنی ہے ؟ فون اٹھانے والے شخص نے پوچھا۔

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کچھ عرصہ پہلے میں نے ان سے ڈیل کیا تھا۔ان کا نمبر میرے پاس ایس عثمان کے نام سے محفوظ ہے۔زنیرہ نے بات بنائی

اچھا آپ سحر عثمان کی بات کر رہی ہیں۔ہولڈ کیجیے میں بات کرواتا ہوں۔

ہیلو! وہی کھنکھناتی آواز، زنیرہ کا سانس بند ہونے لگا۔

ہیلو کون ؟ بولیے تو۔ کھنکھتی آواز کنگنائی۔زنیرہ نے گہرا سانس لے کر اپنے ڈوبتے دل کو سنبھالا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہیلو سحر! میں جانتی ہوں تم کون ہو اور آج کل کیا کررہی ہو۔اس نے مضبوط آواز میں کہا۔

ایکسکیوز می! آپ کون بول رہی ہیں؟ آواز کی ساری کھنک اور گنگناہٹ ختم ہوگئی۔

میں عامر منور کے دفتر میں کام کرتی تھی۔زنیرہ نے ایک ایک لفظ واضح کرتے ہوئے کہا۔

بڑا عرصہ وہ مجھے شادی کے سبز باغ دکھاتا رہا۔اب مجھے چھوڑ کر اس نے تمہارے ساتھ ناطہ جوڑ لیا ہے۔کیا کیا وعدے کیے ہیں اس نے تم سے ؟ زنیرہ کے ذہن میں کہانی خودبہ خود بنتی جارہی تھی اور وہ بولتی جارہی تھی۔

میں کسی عامر کو نہیں جانتی۔سحر عثمان نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

میرے پاس تمہاری تصویریں ہیں۔لگ گیا تو تیر نہیں تو تکا، زنیرہ نے سوچا۔

کک۔۔۔کون سی تصویریں ؟ وہ گھبرا گئی۔

تمہاری اور عامر کی تصویریں۔

آپ وہ تصویریں مجھے دے دیں۔اس نے بے ساختہ کہا۔

ٹھیک ہے۔میں کل تمہیں فون کر کے جگہ اور وقت بتاؤں گی۔تم وہاں آکر مجھ سے ملو، میں تمہیں تصویریں دے دوں گی۔یہ کہتے ہی زنیرہ نے فون بند کر دیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اب کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی تھی۔اس کا شوہر کسی دوسری عورت میں انوالو تھا۔

بے یقینی کا عالم گزرا تو اس کی جگہ غم و غصے نے لے لی ، رنج تھا کہ بڑھتا ہی جاتا تھا۔عامر سے اس کی بات نہ ہوپارہی تھی۔صبح وہ عجلت میں نکل جاتا ، رات دیر سے گھر آتا۔

زنیرہ کسی سے کہہ نہ سکتی تھی کہ وہ کس اذیت سے گزررہی ہے۔بہن کوئی تھی نہیں ، ماں باپ کو وہ پریشان نہ کرنا چاہتی تھی اور بھائیوں سے کہنے کا مطلب تھا ایک نئے ہنگامے کو دعوت دینا۔عادل باہر تھا اور اس کو کچھ خاص پروا بھی نہ تھی لیکن اگر فیصل کو پتا چل گیا تو اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ عامر سے لڑ پڑتا۔زنیرہ خود ہی سوال کرتی ، خود ہی جواب دیتی۔روتی پھر خود ہی چپ ہو جاتی۔

اس کے دن اسی عالم میں گزررہے تھی جب اسے حمیرا کا فون آیا۔حمیرا اس کی بچپن کی دوست تھی۔کالج تک دونوں اکٹھی رہیں۔پھر وہ بیاہ کر اسلام آباد چلی گئی تو اس سے رابطہ کم ہوگیا۔

وہ فون پر زنیرا کی روتی ہوئی آواز سن کر چونک گئی۔

کیا ہوا زنیرہ ؟تم رو کیوں رہی ہو ؟ حمیرا نے گھبرا کر پوچھا۔

زنیرہ پھٹ پڑی ، اب اس میں ضبط جواب دے چکا تھا۔روتے ہوئے وہ حمیرا سے صرف چند لفظ کہہ سکی:

Humaira Amir is having an affair

حمیرا بھی گھبرا گئی۔اس نے زنیرہ کو چپ کروانے کی کوشش کی:

رونا بند کرو اور مجھے پوری بات بتاؤ۔زنیرہ قابو رکھو خود پر۔اس اپنی بات جاری رکھی۔

یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے زنیرہ۔ساری بات سن کر حمیرا نے توقع کے بالکل بر عکس بات کی۔

تمہیں یہ بڑی بات نہیں لگتی ؟زنیرہ حیران رہ گئی اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

زنیرہ میری بات غور سے سنو۔وہ لڑکی جو کوئی بھی ہے اس کی عامر بھائی کی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں۔تم ان کی بیوی ہو۔تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔حمیرا اسے سمجھانے والے انداز میں بولی۔

مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم عامر کی اس حرکت کا دفاع کررہی ہو۔زنیرہ نے ناراضی اور حیرانی کے ملے جلے تاثرات لیے کہا۔

میں دفاع نہیں کررہی، صرف تمہیں ذرا ٹھنڈا کرنے کی کوشش کررہی ہوں۔اس وقت تم بہت جذباتی ہورہی ہو۔میں نہیں چاہتی کہ تم غصے میں آکر کوئی غلط فیصلہ کر بیٹھو۔حمیرا نے کہا

فیصلہ تو کرنا ہی ہوگا حمیرا۔میں نے بہت کچھ برداشت کیا ، یہ نہیں کرسکتی۔مجھے لگتا ہے میرا دل پھٹ جائے گا۔زنیرہ کی آواز بھرا گئی۔

زونی تم اس کی بیوی ہو۔تمہارا پیار وہ کسی اور کو نہیں دے سکتا۔یہ وقتی رشتے ہوتے ہیں۔

میں پیار کے لیے نہیں رو رہی۔مجھے اپنی ناقدری پر اپنی بے عزتی پر رونا آرہا ہے۔میرے لیے اس کے پاس دومنٹ نہیں ہیں اور اس لڑکی کو وہ دو دو گھنٹے کی کالز کررہا ہے۔میرے لیے غصہ، بے اعتنائی، بد مزاجی اور اس کے لیے پیار کی باتیں ؟ زنیرہ چیخ پڑی۔

دیکھو میں سمجھ رہی ہوں تم پر کیا بیت رہی ہے لیکن پلیز ٹھنڈے دل سے سوچو۔حمیرا اسے ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔

بھاڑ میں گیا ٹھنڈ ا دل میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔میں اسے چھوڑ رہی ہوں۔زنیرہ نے غصے سے کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تاکہ وہ تمہارے جانے کے بعد کھل کر کھیل سکے ؟ میدان چھوڑ کر بھاگ رہی ہو ؟ اب حمیرا کا لہجہ بھی جارحانہ ہوگیا۔وہ میرے ہوتے ہوئے بھی کھل کر کھیل رہا ہے اور یہ رشتہ اب اس قابل نہیں رہا کہ میں اس کے لیے جنگ لڑوں۔زنیرہ نے گویا اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

☆...☆...☆

اس رات عامر گھر آیا تو گھر پر کوئی نہ تھا۔وہ حیران ہوا۔زنیرہ شام کو کہیں نہیں جاتی تھی اگر جاتی بھی تھی تو ہمیشہ اس کے آنے سے پہلے پہلے گھر واپس آچکی ہوتی تھی۔وہ اپنی سٹڈی میں چلا گیا۔میز پر اپنا بریف کیس رکھتے ہوئے وہ ٹھٹھک گیا۔ہاتھ بڑھا کر اس نے پیپر ویٹ کے نیچے دبا ہوا کاغذ نکال لیا۔اس پر ایک مختصر سی عبارت کے سوا کچھ نہ تھا۔

نئی محبت مبارک ! میں واپس نہیں آؤں گی۔زنیرہ

☆...☆...☆

میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔مریم نے کمرے میں آکر ہاتھ میں پکڑا ہوا لفافہ لہراتے ہوئے کہا۔کیسا سرپرائز؟ شیلف پر کتابیں ٹھیک کرتی ثنا کے ہاتھ رک گئے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یہ دیکھو۔مریم نے لفافہ اس کی طرف بڑھادیا۔ثناء نے لفافہ کھول کر اندر سے کاغذ نکال لیا۔بے ساختہ بولی:

پی ایم اے۔۔۔۔اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔سرخ چہرے کے ساتھ وہ ہنس پڑی۔اس نے رخ موڑ لیا اور دوبارہ سے شیلف پر رکھی ہوئی کتابیں ٹھیک کرنے لگی۔مریم نے اس کے ہاتھ سے لفافہ اچک لیا۔

ہمارے فوجی برادران نے ترک سفید کے اعزاز میں ایک تقریب پر وقار کا اہتمام کیا ہے۔ازراہِ کرم ہمیں بھی دعوت نامہ بھیج دیا۔لیکن ہم تو جا نہیں رہے۔دعوت نامہ ضائع ہو گیا بے چاروں گا۔مریم دھم سے بستر پر گر پڑی۔

کیوں کیوں نہیں جارہے ؟ ابو کی جاب کا تقاضہ ہے جانا۔ثناء تیزی سے اس کی طرف گھومی۔

ہاں تو وہ چلے جائیں گے۔امی کا کہنا ہے ہمیں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔مریم نے بے نیازی سے کہا۔ثنا کا چہرہ اتر گیا۔وہ خاموش ہو گئی۔مریم کو اس پر ترس آگیا۔

اچھا اب رونا نہ شروع کردینا۔چپ کر کے دیکھتی جاؤ میں کیا کرتی ہوں۔اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

شام کو اس کی لیڈیز کلب کی فرینڈ مسز اطہر کا فون آگیا۔

میں نے سنا ہے آپ لوگ پی ایم کے فنکشن میں نہیں آرہے؟ انہوں نے پوچھا۔

آپ کو کس نے بتایا ؟امی حیران ہوئیں۔

صبح مریم سے بات ہوئی تھی اس نے بتایا۔مسز قریشی تھوڑے سے تو ہم یہاں لوگ ہیں۔مل بیٹھنے کا بہانہ چاہیے اور میرا سکندر بھی بڑا پُرجوش ہے کہ علی سے ملے گا ۔آپ لوگ ضرور آیئے گا۔

اگلے دن دوپہر تک چار مزید خواتین کے فون آگئے تو امی مجبور ہو گئیں۔انہیں تقریب پر سب کو لے کر جانا پڑا۔ثنا نے بہت خوب صورت گلابی لباس پہنا ، فنکشن خاصا بورنگ تھا۔کچھ تقریریں ہوئیں ، چند گیت گائے گئے پھر ڈنر ہوا۔فیصل دوردور سے ثنا کو دیکھتا رہا۔وہ یہ دیکھ کر محظوظ ہورہا تھا کہ ثنا کی نظریں کسی کو ڈھونڈھ رہی ہیں۔ثنا پورے ہال میں ایک ہی چہرہ دیکھنے کی کوشش کرتی رہی۔سب ٹوپیوں والے ایک جیسے نظر آتے تھے اور جنہوں نے ٹوپیاں نہیں پہن رکھی تھیں ، ان کے پیالا کٹ بال ایک ہی مشین سے نکلے ماڈل لگتے تھے۔لیکن ڈنر کے بعد جب سب مہمان ٹولیوں کی صورت میں اِدھر اُدھر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے تو ثنا کو وہ نظر آگیا۔نظر آنا مشکل بھی نہ تھا۔اس نے تو بس یہ کیا کہ پورے ہال میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سب سے لمبے شخص کو ڈھونڈا اور وہ وہی نکلا۔ثنا کی اس سے نظریں ملیں تو وہ مسکرایا اور چپکے سے ہاتھ اٹھا کر اسے سیلوٹ کیا۔ثنا مسکرائی، وہ خواتین کے ایک گروپ کے ساتھ کھڑی تھی۔غیر محسوس طریقے سے وہ ان سے الگ ہوئی اور مریم کی طرف چلی۔ابھی آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ وہ بھاری قدم اس کے ساتھ چلنے لگے۔

ہیلو۔فیصل نے مسکرا کر کہا۔

ہیلو! ثنا بھی مسکرائی۔

کیسی ہیں آپ؟

بہت اچھی۔اس نے شوخ و چنچل لہجے میں کہا۔

کوئی شک نہیں! وہ بھی اسے چھیڑتے ہوئے بولا تو دونوں ہنس پڑے۔

آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔فیصل نے کہا

۔آپ نے سلام کب کیا؟ ثنا نے حیران ہو کر پوچھا۔

وہاں کھڑے ہوئے۔فیصل نے انگلی سے اشارہ کیا۔

وہ تو سیلوٹ تھا۔اس نے معصومیت سے کہا۔

سیلوٹ ویسا تھوڑی ہوتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پھر کیسا ہوتا ہے ؟

آیئے میں آپ کو دکھاتا ہوں۔وہ جس دیوار کے ساتھ چل رہے تھے اس میں فاصلے سے کئی دروازے برآمدے کھلتے تھے۔فیصل نے ایک دروازہ کھولا اور دونوں باہر برآمدے میں نکل آئے۔آوازوں کے شور سے نکل کر برآمدہ بہت خاموش معلوم ہوا۔فیصل اس کے سامنے سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور مسکراتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

شکریہ! وہ کچھ دیر خاموش رہی

۔آپ نے کھانا ٹھیک سے کھایا؟ فیصل نے آداب میزبانی نبھائے۔

جی۔ایک بار پھر طویل خاموشی۔

ایک بات بتایئے، یہ جو آپ گردن میں اس قدر اکڑا ہو اکالر پہنتے رہتے ہیں ، اس سے آپ کی گردن ہلنے جلنے کے قابل رہتی ہے ؟آخر ثنا نے کہا۔

جواب میں اس نے مسکراتے ہوئے اسے دائیں سے بائیں گردن ہلا کر دکھائی۔

ویسے گردن اس طرح ہلتی اچھی نہیں لگتی۔ایسے ہلتی اچھی لگتی ہے۔اس نے گردن ہاں کے انداز میں اوپر نیچے ہلائی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ثنا ہنس پڑی۔وہ دونوں برآمدے میں آہستہ قدموں سے چلنے لگے

۔اکیڈمی کیسی لگی آپ کو ہماری؟ فیصل نے پوچھا۔

اچھی ہے مگر یہ جو اس کے درودیوار ان نعروں سے بھرے ہیں۔ثنا نے دیوار پر ایک پوسٹر کی طرف اشارہ کیا جس پر بڑے بڑے الفاظ میں شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے لکھا تھا۔ثنا نے اپنی بات جاری رکھی :

انہیں دیکھ کر خواہ مخواہ شہید ہونے کو دل چاہتا ہے۔

یہ ہماری ٹریننگ کا حصہ ہے۔ابھی تو آپ نے رسال پور اکیڈمی نہیں دیکھی۔وہاں تو کوئی کونا بھی اس یادہانی سے خالی نہیں۔فیصل مسکرایا۔

وہ تو ائیر فورس کی اکیڈمی ہے نا؟ آپ وہاں بھی رہ چکے ہیں ؟ ثنا نے پوچھا۔

میں اصل میں Army Aviation میں ہوں۔فلائنگ ٹریننگ کے لیے کچھ عرصہ وہاں گزار چکا ہوں۔

رئیلی؟ کیا اُڑاتے ہیں آپ ؟ اس نے حیرانی سے اس سے پوچھا۔

گپیں ! اس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

ان کے علاوہ ؟ ثنا نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

ہیلی کاپٹر!

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

wow! اس نے سراہنے والے انداز میں کہا۔

اور آپ کیا کرتی ہیں ؟ فیصل نے پوچھا۔

پڑھتی ہوں، فائن آرٹس۔

ارے واہ یعنی آرٹسٹ ہیں۔کیابناتی ہیں آپ ؟

باتیں! ثنا نے مسکرا کر کہا

ان کے علاوہ ؟ فیصل کی ہنسی میں کھنک تھی۔

Miniature paintings

میرا miniature بنائیں گی آپ؟

ہیلی کاپٹر میں ride دیں گے آپ؟ اس نے الٹا سوال داغا۔

افسوس! میں civilians کو ride نہیں دے سکتا۔اس نے سر جھکا کر کہا۔

افسوس! میں اتنے لمبے آدمیوں کے miniature نہیں بنا سکتی فوراً جواب آیا۔

دونوں پھر سے ہنسنے لگے۔ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک چکر لگا کر پھر اسی دروازے کے پاس آنکلے جہاں سے و ہ برآمدے میں نکلے تھے۔تا دیر وہ وہاں خاموشی سے کھڑے رہے۔اندر ہال سے ہنسنے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں اور ان دونوں کے بیچ بہت بولتی ہوئی خاموشی آن ٹھہری تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

مجھے چلنا چاہیے۔آخر ثنا نے کہا۔

پھر کب ملیں گی؟ فیصل نے بے تابی سے پوچھا۔

جب قسمت میں ہوا۔ثنا نے گویا بے نیازی دکھائی۔

خدا حافظ ! ثنا نے کہا۔

خدا حافظ فیصل نے بجھے دل سے جواب دیا۔

ثنا مڑ کر دروازے تک گئی تب اچانک اسے خیال آیا۔

ارے ہاں ! وہ سیلوٹ تو رہ ہی گیا۔اس نے مڑ کر کہا۔

فیصل جو پشت پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا، مسکرایا، بازو سیدھے کیے ، سر اونچا کیا اور زور دار قدم فرش پر دھمک کر سیلوٹ کیا۔بڑی پیاری مسکراہٹ ثنا کے چہرے پر طلوع ہوئی۔وہ مڑی اور دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

☆...☆...☆

عطیہ نے زنیرہ کے کمرے پر دستک دی۔زنیرہ نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

دروازہ لاک کر کے کیوں بیٹھی تھیں بیٹا ؟ عطیہ نے پوچھا۔جب کہ زنیرہ نے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھا۔ویسے ہی لاک ہو گیا امی۔مجھے پتا نہیں چلا۔اس نے بات ادھوری چھوڑ دی

آؤ کھانا کھا لو! عطیہ نے اس کے ماتھے پر آئے بال پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

آپ جائیں میں آتی ہوں وہ مڑتے ہوئے بولی

نہیں! تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گی۔دادی انتظار میں بیٹھی ہیں۔انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا۔عطیہ اسے لیے ڈائننگ روم میں آئیں تو دادی نے عینک کے پیچھے سے اسے غور سے دیکھا۔

ادھر آؤ زنیرہ میرے پا س بیٹھو۔انہوں نے اپنی ساتھ والی کرسی تھپتھپائی۔زنیرہ خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئی۔

بڑی کم زور ہو گئی ہے، سالوں کی مریض لگتی ہے۔وہ اس کی پلیٹ میں کھانا ڈالتے ہوئے بڑبڑانے لگیں۔

بس آپ کو پتا ہے اماں یہ آج کل کی لڑکیاں کہاں اپنے کھانے پینے کا خیال کرتی ہیں۔عطیہ نے سلاد کی ڈش ان کے آگے کرتے ہوئے کہا۔

بس اب یہ جتنے دن یہاں ہے اسے خوب کھلاؤ پلاؤ۔ہائے ہائے مجھے تو وہ بھینس بڑی یاد آتی ہے۔وہ ہوتی تو اس کو خوب دودھ بالائی کھلاتے۔دادی کی گاڑی یونہی کہیں سے کہیں جا نکلتی تھی۔

لو! وہ تو جب فیصل ہاسٹل گیا تھا تب ہی بیچ دی تھی۔ایک وہی تھا دودھ کا شوقین ۔عطیہ نے پیار سے فیصل کا نام لیا۔

اے زنیرہ کب تک ہے تو یہاں؟ کتنے دن کے لیے آئی ہو ؟ دادی نے پوچھا

رہوں گی دادی کچھ دن۔زنیرہ نے آہستہ سے کہا۔

دادی کچھ دیر اسے پرسوچ نظروں سے دیکھتی رہیں پھر آگے بڑھ کر اس کا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

تو کیوں پریشان رہتی ہے میری بچی ؟اللہ کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں۔وہ دے گا تجھے اولاد۔اس طرح دل سے لگا بیٹھے گی تو شوہر سے بھی دور ہو جائے گی۔انہوں نے اس کی دل جوئی کی۔

زنیرہ کی آنکھیں بھر آئیں۔کیا کہے کس فاصلے پر کھڑی تھی وہ اپنے شوہر سے اور کسی وجہ سے؟

ہر طرح کا علاج کر وا کر دیکھ لیا۔کبھی آئی وی ایف تو کبھی ہارمونز ، اب ریلکس کرو۔اللہ کرم کرے گا۔عطیہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

زنیرہ خاموشی سے کھانا کھاتی رہی۔کیوں نہیں بتادیتی وہ اپنے گھر والوں کو کہ وہ عامر کو چھوڑ آئی ہے ؟ وہ اپنے آپ سے ہی پوچھتی۔شاید اس وجہ سے کہ وہ ان

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کو پریشان نہیں کرنا چاہتی ؟ شاید اس لیے کہ اس کے گھر والوں نے عامر کو عزت کے بہت اونچے درجے پر بٹھا رکھا تھا۔ان کی بیٹی اسے اولاد نہیں دے سکی اس نے اسے عزت سے گھر میں بسائے اور ہر طرح کا عیش فراہم کیا۔وہ جانتی تھی کہ اپنا کیس لڑنے کے لیے شاید اسے اپنے گھر والوں سے کوئی سپورٹ نہ ملے۔انہیں یہ بتانا کہ اس کا شوہر اس پر کسی دوسری عورت کو فوقیت دے رہا تھا۔اس کے پندار کے لیے ایک بہت بڑا تازیانہ تھا جو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے اوپر نہیں برسا سکتی تھی۔وہ گومگو کے عالم میں سب کی باتیں سنتی رہتی اور ایک ایک کی شکل دیکھتی رہتی۔

حمیرا اسے روز فون کرتی تھی۔اس کی ایک ہی رٹ تھی: اپنا گھر مت چھوڑو۔واپس چلی جاؤ

زنیرہ نے اس کا فون اٹھانا چھوڑ دیا۔کمرے میں بند رہنے لگی۔نہ کہیں آتی جاتی ، نہ کسی آئے گئے کا سامنا کرتی۔عطیہ کو تشویش ہونے لگی۔انہوں نے کرید کرید کر پوچھنا شروع کیا ، نتیجہ یہ ہوا کی وہ ان کے پاس بیٹھنے سے بھی کترانے لگی۔عطیہ کا دل اسے دیکھ دیکھ کر پگھلتا تھا۔وہ ان کی پہلوٹھی کی اولاد تھی۔وہ ان عورتوں میں سے تھیں جو اپنے تو اپنے، پرائے بچوں پر بھی جان چھڑکتی تھیں۔انہوں نے کبھی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اپنے بچوں کو پھولوں کی چھڑی بھی نہ لگائی تھی۔زنیرہ ان کی شادی کے تین سال بعد پیدا ہو ئی تھی اور ان کی روکھی پھیکی زندگی میں بہار کا سندیسہ لائی تھی۔انہوں نے اسے بے حد لاڈ سے پالا تھا۔اس پر ذرا سی بھی آنچ برداشت نہ تھی ان کو اور صرف اسی پر کیوں ؟ اپنے تینوں بچوں کیلئے ان کا یہی عالم تھا۔ہر ماں کا ہوتا ہے۔ عادل سے ان کی اتنی دوستی تھی کہ وہ اپنی گرل فرینڈز سے انہیں ملوایا کرتا تھا اور فیصل، ان کا سب سے لاڈلا بچہ تھا۔عادل کے برعکس وہ صرف پیار لیناہی نہیں جانتاتھا، اسے پیار کرنا بھی آتا تھا۔جب کالج میں زنیرہ شدید بیمار ہوئی تھی تو چھٹیوں میں گھر آیا ہوا تھا۔اپنی ساری چھٹیاں اس نے اپنی آپی کی پٹی سے لگ کر گزار دی تھیں۔وہ ہسپتال جاکر بیٹھا رہتا۔ڈاکٹروں سے اس کی طبیعت کے بارے میں معلومات لیتا اور اس کی رپورٹس ڈسکس کرتا۔زنیرہ کی بیماری کی سمجھ نہ آتی تھی۔ اس کے سب ٹیسٹ کلیئر تھے۔ان دنوں سرور کی پریشانی کا یہ عالم تھا کہ اکثر پورا پورا دن ایک چائے کے کپ کے سوا ایک کھیل بھی ان کے منہ میں نہ جاتی۔عطیہ نماز پڑھنے کھڑی ہو تیں تو آنسوؤں سے ان کا دوپٹہ بھیگ جاتا۔دادی لمبے لمبے سجدے کرتیں لیکن بیماری پکڑ میں نہ آتی تھی۔ان کے جگر کا ٹکڑا ان کے سامنے گھل گھل کر ختم ہورہا تھا۔

پھر اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا۔اس کی دوست حمیرا سید خاندان سے تھی۔نیکوکاروں ، بزرگوں اور ، اولیاء کا خاندان اور وہ اپنی امی کے ساتھ زنیرہ کا حال پوچھنے آئی ۔ اس کا حال تھا ہی کیا جو پوچھا جاتا؟ انہوں نے عطیہ اور سرور سے التجا کی:پتا نہیں آپ لوگ ان چیزوں کو مانتے ہیں یا نہیں لیکن ہر طرح کا علاج آپ کروا چکے ہیں۔ علاج ضرور جاری رکھیے لیکن ایک دفعہ میرے ساتھ چل کر سید صاحب سے ضرور مل لیجئے۔میرے سسر کے بھائی ہیں ، نیک بزرگ ہیں۔شاید اللہ ان کی دعا میں برکت ڈال دے۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ،عطیہ زنیرہ کو سید صاحب کے پاس لے گئیں۔انہوں نے زنیرہ پر دم کیا اور پنج وقتہ نماز کے ساتھ نظر کی دعا پڑھنے کی تاکید کی۔خوراک میں کچھ احتیاط بتائی اور صبر کے ساتھ علاج جاری رکھنے کو کہا۔

اگلے ہی دن زنیرہ کی طبیعت سنبھلنے لگی۔ماں باپ کے لیے یہ معجزہ تھا۔انہوں نے کبھی دم درود ، جھاڑ پھونک پر یقین نہ کیا تھا۔اب اپنی اولاد کے لیے ہر جگہ ٹکریں مارتے رہے تھے۔سید صاحب کے لیے ان کی شکر گزاری کی کوئی انتہا نہ تھی۔دو تین مرتبہ وہ مزید ان کے پاس گئے۔حتیٰ کہ زنیرہ مکمل طور پر صحت مند ہو گئی اور کالج جانے لگی۔آہستہ آہستہ وقت نے ان کرب ناک یادوں کو دھندلا دیا۔

عطیہ زنیرہ کو یوں گھلتے دیکھتی تھیں تو ان کا کلیجہ منہ کو آتا تھا۔وہ اس کی اداسی اور ڈپریشن کو اولاد سے محرومی کے دکھ کے کھاتے میں ڈالتی تھیں اور یہ وہ چیز نہیں تھی جو وہ اسے کہیں سے بھی لا دیتیں۔

بڑے دنوں بعد زنیرہ لاؤنج میں آکر ان کے پاس بیٹھی تھی تو عطیہ کھل اٹھیں۔ فوراً ملازم کو چائے کا آرڈر دیا۔سموسے لاؤ،رول فرائی کرو، وہ کیک بھی پڑا ہے فریج میں۔۔۔

امی ! میں نے کل سید صاحب کو خواب میں دیکھا۔زنیرہ نے ان کی بات کاٹ دی ۔

کیا دیکھا ؟ عطیہ جہاں تھی وہاں رک گئیں۔

میں نے دیکھا کہ وہ صحن دھو رہے ہیں۔زنیرہ نے کچھ الجھے ہوئے انداز میں کہا تو عطیہ اور سرور نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

ہمیں ان سے ملنا چاہیے۔عطیہ نے کہا۔

چلو میں لے چلتا ہوں۔سرور نے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

نہیں ابو! میں ان کے پاس اکیلے جانا چاہتی ہوں۔زنیرہ نے اپنی بجھی ہوئی آنکھیں جھکا لیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

عطیہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سرور کو اشارہ کیا۔یہ ان کی چھوٹی سی بیٹی نہیں تھی جسے وہ ہاتھوں پر اٹھائے پھرتے تھے۔وہ اب خود مختار عورت تھی۔اب اس کے معاملات میں دخل اندازی کرنا کرنا مناسب نہیں تھا۔

ٹھیک ہے بیٹا جیسے تمہارا دل چاہے۔آج تو گاڑی فارغ نہیں ہے۔دادی کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے۔کل فیصل آ رہا ہے، تم چاہو تو اس کے ساتھ چلی جانا ورنہ خود ہی ہو آنا۔عطیہ نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

اگلے دن فیصل آیا تو ایک نئی خبر لایا۔

آپی میں آپ کے گھر سے ہوتا ہوا آرہا ہوں ، عامر بھائی سے کام تھا مجھے۔وہ تو بڑے سخت بیمار ہیں۔

زنیرہ خاموش رہی۔اس کی خاموشی کو سب نے محسوس کیا۔

کیا ہوا عامر کو؟ عطیہ نے پوچھا

ٹائی فائیڈ! اس نے اطلاع دی۔

ہائے! زنیرہ تمہیں اس نے نہیں بتایا کہ وہ اتنا بیمار ہے؟ تم یہاں سکون سے بیٹھی ہوں۔تمہیں فوراً اس کے پاس جانا چاہیے۔عطیہ نے بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھا۔

زنیرہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔عطیہ نے آنسوٹپ ٹپ اس کی گود میں گرتے دیکھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

زنیرہ!!!

ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ جھٹکے سے اٹھی اور بھاگ کر اپنے کمرے میں چلے گئی۔فیصل! تم آج ہی اس کو سید صاحب کے پاس لے جاؤ۔پتا نہیں کیا بات دل میں چھپائے بیٹھی ہے۔نہ منہ سے کچھ کہتی ہے نہ دل کا حال بتاتی ہے ۔انہوں نے ہول کر کہا۔

فیصل بھی تشویش سے زنیرہ کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتا رہا۔

میں بات کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔آپ فکر نہ کریں۔اس نے انہیں تسلی دی۔

☆...☆...☆

تم مجھے حمیرا کے گھر اتار دو۔زنیرہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس سے کہا:

ایک گھنٹے بعد لے لینے آجانا۔

فیصل نے اس کا چہرہ دیکھا۔وہ اس قدر تھکی ہوئی ، اداس اور بجھی ہوئی لگ رہی تھی کہ اس سے بحث کرنے کی اس کی ہمت نہ ہوئی۔

جیسے آپ کی خوشی آپی! اس نے اسے خوش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

عام حالات میں اس کی ایسی باتوں کے جواب میں وہ اس کے گال پر پیار سے چٹکی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بھر لیتی یا اس کے بال بگاڑ دیتی تھی، مگر اب وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

حمیرا اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔اس نے بڑھ کر زنیرہ کو گلے لگا لیا۔

شکر ہے تم گھر سے نکلیں! کیسی ہو ؟ اس نے کہا۔

سید صاحب سے ملنے آئی ہوں۔زنیرہ نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

ضرور! اس وقت وہ آرام کرکے اٹھ چکے ہوں گے۔آؤ میں تمہیں ان کے کمرے میں لے جاؤں۔حمیرا اس کا ہاتھ پکڑ کر ان کے کمرے تک لے گئی۔

دروازے پر دستک دے کر وہ اندر داخل ہوئی توسید صاحب صوفے پر بیٹھے کوئی کتاب دیکھ رہے تھے۔اسے دیکھ کر مسکرائے اور شفقت سے بولے:

بلایا ہے تو آئی ہو۔خود سے آکر ملنے کاخیال نہیں آیا ؟

میں نے آپ کو خواب میں۔۔۔۔۔زنیرہ دم بہ خود رہ گئی۔

ہاں ہاں! جانتا ہوں۔وہی تو کہہ رہا ہوں بلایا ہے تو آئی ہو۔انہوں نے سر ہلایا۔

زنیرہ یک دم پھوٹ پھوٹ کررونے لگی۔بھاگ کر وہ ان کے پاس گئی اور ان کے صوفے کے پاس گھٹنوں کے بل گر گئی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میں مرجاؤں گی سید صاحب! مجھے لگتا ہے میرا دل پھٹ جائے گا۔اس نے ہچکیوں میں روتے ہوئے کہا'

حمیرا نے بڑھ کر اسے فرش سے اٹھانا چاہا تو سید صاحب نے اشارے سے منع کر دیا۔وہ وہیں بیٹھی روتی رہی اور وہ خاموشی سے اس کا سر تھپکتے رہے۔اچھی طرح رو لینے کے بعد جب اس کے آنسو ذرا تھمے تو انہوں نے حمیرا کو اشارہ کیا۔

پانی ! انہوں نے دھیمی آواز میں کہا۔

حمیرا نے آگے بڑھ کر اسے فرش سے اٹھایا اور سید صاحب کے پاس صوفے پر بٹھایا۔پانی کا گلاس اس کے منہ سے لگا کر اس کے آنسو پونچھے۔اس کی اپنی آنکھیں بھی نم تھیں۔

اب بتاؤ کیا ہوا ؟ سید صاحب نے نرمی سے کہا۔

زنیرہ نے انہیں اپنی ساری بپتا کہہ سنائی۔

میں اپنے آپ کو مصروف رکھتی ہوں ، خوش رہنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہوں لیکن میری زندگی بنا پتوار کی کشتی ہے ،

ڈانواڈول ! وہ سرجھکائے کہتی رہی۔اس کے آنسو تھم گئے تھے مگر سسکیاں اس کے وجود کو ہلائے دیتی تھیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

مجھے لگتا ہے میں گھپ اندھیرے میں کھڑی ہوں۔نہ آگے کچھ نظر آتا ہے نہ پیچھے
۔

سید صاحب خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے۔وہ خاموش ہوئی تو وہ بولے:

اولاد نہ ہونے کی وجہ کیا ہے ؟ کمی کس میں ہے؟

مجھ میں۔زنیرہ نے سر جھکا لیا۔اس کی آنکھ بھر آئی۔

کیا اس نے کبھی تمہیں طعنہ دیا ہے؟

نہیں زنیرہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

کیا اس نے کبھی دوسری شادی کا ارادہ ظاہر کیا ؟

زنیرہ نے نفی میں سر ہلا یا۔

اور اس کے ماں باپ یا گھر والے ؟ کیا وہ اسے دوسری شادی پر مجبور کرتے ہیں ؟

وہ تو شادی کے ایک سال بعد ہی سے اسی کوشش میں ہیں۔زنیرہ پھیکی سی ہنسی ہنس پڑی۔

گھر میں اس کی دل چسپی کا سامان کیا ہے ؟ سید صاحب نے پوچھا۔

وہ گھر آئے تو دل چسپی کا سامان ہو۔اس نے تلخی سے کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میرا مطلب ہے کیا اس کی ضرورتوں کا خیال رکھا جاتا ہے؟ اس کے مہمانوں اس کے گھر والوں کا؟

میں سب کچھ کرتی ہوں لیکن وہ پھر بھی سمجھتا ہے کہ میں بے کار ہوں۔اس کا خیال ہے کہ سب کچھ ملازم کرتے ہیں ، میں صرف عیش کرتی ہوں۔میں نے اس کی خاطر سب کچھ کیا، اس کے ماں باپ کی خدمت کی ، اچھے برے وقت میں اس کا ساتھ دیا ، اس کے ساتھ وفا دار رہی۔صرف بچہ ہی پیدا نہیں کر سکی، اس وجہ سے معتوب ہوں۔اس کے آنسو پھر سے بہنے لگے۔

ہوں! اور اب وہ بہت بیمار ہے ؟ سید صاحب جو پر سوچ انداز میں ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔پھر انہوں نے کچھ دیر توقف کے بعد پوچھا۔

زنیرہ نے ہاں میں سر ہلایا۔اس کا سر جھکا ہوا تھا اور نظریں اپنی گود میں رکھے ایک دوسرے میں پیوست ہاتھوں پر جمی تھیں۔وہ خود بھی کسی گہری سوچ میں گم نظر آتی تھی۔

اب میرے ایک سوال کا جواب سوچ سمجھ کر دینا، کیا تم اسے چھوڑنا چاہتی ہو ؟ سید صاحب نے کہا

میں اسے چھوڑ چکی ہوں! زنیرہ نے اسی طرح جھکے سر کے ساتھ کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پھر اب کیا کرو گی ؟

یہ وہ سوال تھا جو زنیرہ پچھلے دو ہفتے سے اپنے آپ سے پوچھ رہی تھی۔پھر کیا کرو گی ؟ پھر کیا کرو گی ؟ پھر کیا کرو گی ؟ اس جملے کی باز گشت نے اسے پاگل کر دیا تھا۔

اسے وہاں۔۔۔۔۔حمیرا نے کچھ کہنا چاہا تو سید صاحب نے ہاتھ اٹھا کر نرمی سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

میں ایک اور سوال پوچھتا ہوں۔اگر تمہاری ہیرے کی انگوٹھی تمہیں تنگ ہو جائے تو تم کیا کرو گی ؟ اتار کر پھینک دو گی ؟ انہوں نے اسی نرمی سے کہا

یہ ہیرے کی انگوٹھی نہیں ہے۔زنیرہ ان کا سوال سمجھ گئی۔اس نے دل برداشتہ لہجے میں کہا۔

یہ تو سٹرک کی بجری ہے۔وہ روانی میں کہے جارہی تھی۔

اپنے آپ سے وابستہ ہر رشتہ ہیرے کی انگوٹھی ہی ہوتاہے بیٹا اور ہیرے کی انگوٹھی تنگ ہو جائے تو اس ے اتار کر پھینکا نہیں جاتا یا اپنا وزن کم کیا جاتا ہے یا اسے سنار سے کھلا کروایا جاتاہے۔انہوں نے کہا۔

میرے پاس ایسا کوئی سنار نہیں۔زنیرہ نے سر اٹھا کر ان کا چہرہ دیکھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سنار تو سب کے پاس ہے۔بس کھوجنے کی ضرورت ہے۔انہوں نے مسکرا کر کہا۔

زنیرہ ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

تم واپس چلی جاؤ۔میں جانتا ہوں تمہارے لیے یہ بہت مشکل ہو گا لیکن تم جاؤ اور بیماری میں اس کا خیال رکھو۔وہ بڑی پیار سے اسے سمجھا رہے تھے۔

اتنی بے عزتی کے بعد میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔ زنیرہ نے نفی میں سر ہلا یا۔

بے عزتی اگر کسی کی ہوتی ہے تو خود اس کی، تمہاری نہیں۔۔بے وفائی تم نے نہیں ، اس نے کی۔دیکھو بیٹا! طلاق مسئلے کا حل نہیں ہوتی ، نئے مسائل کی بنیاد ہوتی ہے ۔وہ تمہارا گھر ہے۔تم جاؤ اور استحقاق سے وہاں رہو۔اپنے حق کے لیے لڑے بغیر ہا ر مت مانو۔انہوں نے کہا

کیا وہ لڑکی اس کی زندگی سے نکل جائے گی ؟ اپنے لہجے کی آس نے خود اس کو حیران کر دیا۔

بالکل! اور یہی وقت ہے اسے دکھا دینے کا کہ اس کی زندگی میں تمہارا کیا مقام اور اہمیت ہے۔وہ یہ بات اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ جب آپ توانا اور عروج پر ہوتے ہیں تو آپ کا ساتھ دینے کو بہت سی تتلیاں آتی ہیں۔لیکن جب آپ لاغر

اور کم زور ہو جاتے ہیں تو پھر صرف بیوی ہوتی ہے ساتھ نبھانے اور خدمت کرنے کے لیے۔سید صاحب شفقت بھرے لہجے میں اسے سمجھا رہے تھے۔

میں جانتی ہوں میرے پاس اس کے علاوہ کوئی آپشن نہیں۔زنیرہ نے شکست خوردہ انداز میں سر جھکا لیا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور فیصل خاموشی سے آکر ایک کونے میں رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

میں اولاد پیدا نہیں کر سکتی۔میرے پاس آگے کوئی راستہ نہیں۔زنیرہ کہہ رہی تھی ۔

راستے تو ہر کسی کے پاس کئی ہوتے ہیں۔لیکن ان میں سے کوئی بھی آسان راستہ نہیں ہوتا۔راستے کو آسان بنانا پڑتا ہے۔محنت سے، دعا سے، صبر سے۔سید صاحب بڑے پیار سے اسے سمجھا رہے تھے۔

کیا میرا یہ راستہ آسان ہو جائے گا ؟ زنیرہ نے بڑی آس اور امید سے پوچھا۔

ہاں! میں ایک مسنون دعا لکھ کر دے رہا ہوں۔ہر نماز کے بعد اسے پڑھو۔اللہ نے چاہا تو میاں بیوی کے درمیان محبت بڑھے گی۔انہوں نے یقین سے کہا۔

کسی چیز کے بڑھنے کے لیے اس کا ہونا ضروری ہے۔زنیرہ پھیکی سی ہنسی ہنس پڑی۔

محبت ہے ہی نہیں تو بڑھے گی کس طرح؟آپ تھیں آج سے تیس سال پہلے؟ تو اب اتنی بڑی کیسے ہو گئیں؟ سید صاحب نے مسکرا کر پوچھا تو زنیرہ نے حیران ہو کر ان کا چہرہ دیکھا

نہیں نا؟ وہ مسکرا رہے تھے۔زنیرہ لاجواب ہو گئی۔

محبت اپنی صفت میں انسانوں جیسی ہوتی ہے۔سید صاحب نے ایک سفید کاغذ اور پین اٹھاتے ہوئے کہا:

پیدا ہوتی ہے ، جوان ہو تی ہے ، کبھی کبھی ڈھل بھی جاتی ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ محبت مرتی نہیں ، کسی نہ کسی شکل میں زندہ رہتی ہے۔

زنیرہ خاموشی سے کچھ سوچتی رہی۔سید صاحب نے کاغذ پر کچھ لکھتے رہے۔اپنا کام ختم کرکے انہوں نے کاغذ زنیرہ کی طرف بڑھایا۔

فکر کرنا چھوڑ دو اب تمہاری ہیرے کی انگوٹھی سنار کے پاس ہے۔وہ جانے اور اس کا کام۔انہوں نے شفقت سے کہا۔زنیرہ نے ان کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا۔ایک فیصلے پر پہنچ کر اب وہ پرُسکون نظر آرہی تھی۔سید صاحب! کیا میرے گھر اولاد ہو گی ؟اس نے جھجھک کر پوچھا۔

تمہارے پاس نچھاور کرنے کے لیے محبت کا سمند رہے۔انشااللہ ایک دن تمہیں وہ بچہ ضرور ملے گا جسے اس محبت کی ضرورت ہو گی۔انہوں نے نرمی سے کہا۔

زنیرہ کے چہرے پر روشنی کِھل اٹھی۔ایک سچی مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیلنے لگی ۔اس نے خوش ہو کر حمیرا کو دیکھا۔تب اس کی نظر کونے میں بیٹھے فیصل پر پڑی۔ آپ کا بہت شکریہ سید صاحب میں نے آپ کا بہت وقت لیا۔اب اجازت دیجیے۔ یہ میرا بھائی ہے لینے آیا ہے۔میں چلتی ہوں۔اس نے کونے میں بیٹھے فیصل کی طرف اشارہ کیا۔

سید صاحب نے چہرہ گھما کر فیصل کو دیکھا ، فیصل نے انہیں سلام کیا۔سید صاحب کی نظریں اس پر جم گئیں۔ان کے چہرے پر ایک رنگ آکر ٹھہر گیا۔ایک ٹرانس کے سے عالم میں وہ اٹھے اور فیصل کی طرف قدم بڑھا یا۔وہ تعظیماً اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔سید صاحب اس کے سامنے آکر ٹھہر گئے۔وہ بہ مشکل اس کے کندھے تک آئے تھے۔کچھ دیر وہ اس کے سامنے کھڑے وہ اس کا چہرہ دیکھتے رہے پھر انہوں نے بے ساختہ اس کے ہاتھ تھام کر چوم لیے۔فیصل بھونچکا رہ گیا۔متامل ہو کر اس نے اپنے ہاتھ کھینچنے چاہے مگر انہوں نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے۔

تم زندگی میں بہت اونچا مقام پاؤ گے انشااللہ! انہوں نے اس سے کہا۔

واقعی؟ چیف آف آرمی سٹاف بنوں گا میں ؟ فیصل خوش ہو گیا۔

ہاں! سردار ہو گے تم۔سالارِ لشکر۔سید صاحب نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

☆...☆...☆

فیوچر چیف آف آرمی سٹاف سے آٹو گراف لے لیں آپ لوگ ابھی سے پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔فیصل نے اپنا دودھ کا جگ نما گلاس اٹھاتے ہوئے کہا

کھلنڈرا پن ختم ہو گا تمہار تو چیف بنو گے۔ہر وقت تو ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہو۔عطیہ نے چائے میں چینی ہلاتے ہوئے کہا۔

گھر کی مرغی دال برابر! ہیرے کی قدر جوہری ہی پہچان سکتا ہے۔سید صاحب نے مجھے کہا سردار ہو گے تم ، اور بھی کچھ کہا۔فیصل نے منہ بنا کر کہا وہ سوچ میں پڑ گیا ۔

ہاں ! سالارِ لشکر اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ک

یا ؟ سالا ر سکندر ؟دادی چونکیں۔

ہائے! وہ تو میرا ہیرو ہے۔عطیہ شرما کر بولیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یہ ہے کون ! سالار سکندر ؟ پندرہ سال سے لے کر پچاسی سال کی خاتون جس پر فدا ہے ؟ فیصل بھنا کر بولا۔

بس یہ نہ پوچھو! عطیہ نے مسکر اکر کہا۔

کیوں نہ پوچھوں ؟ ہیرو صرف میں ہوں امی۔اس نے تنتنا کر کہا۔

عطیہ ہنسنے لگیں۔ہیرو تو وہ اپنے آپ کو بچپن سے سمجھتا تھا۔جب حسن ابدال کے بعد اس نے آرمی میں کمیشن لیا تو عطیہ رو پڑی تھیں۔ان کا خیال تھا شاید اس کا شوق ٹھنڈا پڑ گیا ہو گا۔لیکن وہ تو خوشی خوشی سامان پیک کررہا تھا۔زنیرہ شادی کر کے چلی گئی ، عادل امریکہ کو پیارا ہو گیا۔اب تم بھی چلے جاؤ گے تو میں تو بالکل اکیلی ہو جاؤں گی۔عطیہ نے مغموم ہو کر کہا۔

بس امی ، میرے لیے کسی اور فیلڈ میں جانا ممکن نہیں تھا۔ فیصل نے سنجیدگی سے کہا۔

کیوں؟ عطیہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

کیوں کہ میں پیدائشی ہیرو ہوں۔ہیرو بنے بغیر نہیں رہ سکتا۔عطیہ روتے روتے ہنس پڑی تھیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اب بھی تصور میں انہوں نے اپنے سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے کو گارڈ آف آنر لیتے دیکھا۔

اس میں تو کوئی شک نہیں اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔انہوں نے نثار ہو کر کہا

☆...☆...☆

زنیرہ سامان پیک کرتی رہی۔اس کے ذہن میں ملے جلے خیالات کی یورش تھی۔ایک طرف وہ اپنے گھر جانے پر سکھ کا سانس لیتی تھی تو دوسری طرف اپنی ناقدری اور بے عزتی کا احساس اس کے دل کو مٹھی میں لے لیتا تھا۔وہ کھلے سوٹ کیس کے پاس تھک کر بیٹھ گئی۔

اب یہ باتیں سوچنے کا فائدہ؟ جو فیصلہ کر لیا سو کرلیا۔اب خوشی سے جائے یا رو کر ، جانا تو تھا ہی۔اس نے اپنے آپ سے کہا۔

اس وقت فیصل دستک دے کر اندر داخل ہو ا۔

آؤ فیصل! مجھے تم سے کام تھا۔یہ بتاؤ تم واپس کب جارہے ہو ؟ میں تمہارے ساتھ ہی چلی جاؤں۔زنیرہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

آپی کل تو پتو کی جانا ہے ایک شادی میں۔پرسوں انشاء اللہ صبح صبح نکل چلیں گے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ارے ہاں! اس عورت کی بیٹی کی شادی ہے نا جو کینسر کی مریضہ تھی ؟ کیا نام تھا اس کا ؟ ہاں فوزیہ۔اسے یا د آیا۔

چلو میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔زنیرہ نے یک د م کہا۔

پتو کی؟ فیصل نے حیران ہو کر پوچھا۔

ہاں!

آپ وہاں جا کر کیا کریں گی؟ اس نے پھر تصدیق چاہی۔

تم کیا کرو گے؟ اس نے الٹا سوال کر دیا۔

Good question! ٹھیک ہے۔آپ چلیں میرے ساتھ۔اکیلے بور ہونے سے بہتر ہے ہم دونوں مل کر بور ہو لیں۔فیصل نے کہا تو دونوں ہی ہنس پڑے۔

☆...☆...☆

فیصل کی توقعات کے برعکس وہ شادی پر بور نہیں ہوئے۔فوزیہ انہیں دیکھ کر نہال ہو گئی۔تھوڑے سے لوگ تھے۔مردوں عورتوں کا ایک ہی جگہ انتظام تھا۔تنگ گلی میں گاڑی لے جانے کے بجائے فیصل نے گاڑی مین روڈ پر کھڑی کی اور دونوں چل کر اندر آئے۔ان کے گلی میں داخل ہونے کے چند سیکنڈ کے اندر اندر وہاں ایک ہلچل مچ گئی۔یہ ہلچل اس وقت دو چند ہو گئی جب فیصل ٹینٹ میں داخل ہوا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اور وہاں موجود تمام نوجوان لڑکیاں بہ شمول دلہن، اسے دیکھنے کیلئے امڈ پڑیں۔طاہر نے گھور گھور کر اور ڈانٹ ڈپٹ کر لڑکیوں کو وہاں سے بھگایا۔وہ دور دور سے اسے دیکھ دیکھ کر آپس میں سرگوشیاں کر کے شرماتی رہیں۔فیصل کو بہت ہنسی آرہی تھی۔ اسے فکر ہوئی کہ کہیں کوئی اس کی ہنسی کا غلط مطلب نہ لے لے۔وہ اٹھ کر گلی میں نکل گیا اور وہاں ٹہلنے لگا۔اتنے میں طاہر سخت گھبرایا ہوا اس کے پاس آیا۔

فیصل بھائی! آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

کیاہوا؟ فیصل کے سارے حواس بیدار ہو گئے، اس نے چوکنا ہو کر پوچھا۔

اندر آئیں! طاہر اسے چھوٹے سے گھر کے اندر لے گیا۔وہاں فوزیہ سفید چہرے اور کانپتے ہاتھوں کے ساتھ موجود تھی۔کمرے میں اس کے علاوہ صرف ایک موٹا پہلوان نما شخص تھا جو کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ دھرے بیٹھا تھا اور پاؤں ہلا رہا تھا۔ زنیرہ نے فیصل کو اندر جاتے دیکھا تو تجسّس سے اٹھ کر وہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔وہ اور فیصل آگے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہو ئے تھے۔فوزیہ نے انہیں دیکھا تو کرسی پر گر پڑی۔زنیرہ نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔

کیا ہوا آنٹی ؟ آپ کی طبیعت خراب ہے؟ زنیرہ نے تشویش سے پوچھا۔

فوزیہ نے نفی میں سر ہلا کر ہاتھ میں پکڑے چند کاغذ اس کی طرف بڑھا دیے۔

زنیرہ نے ان پر ایک نظر ڈالی اور الجھن بھری نظروں سے فوزیہ کو دیکھا۔وہ جوں جوں پڑھتی گئی اس کے ماتھے پر بل پڑتے گئے۔پھر جیسے سارا معاملہ اس کی سمجھ میں آگیا۔

لو لیٹر! بلیک میل... اس نے فیصل سے کہا۔

میری بیٹی سے غلطی ہو گئی تھی۔اب یہ شخص کہتا ہے کہ میں ابھی کے ابھی یہ مکان اس کے نام کردوں ورنہ وہ یہ خط لے جاکر باراتیوں میں بانٹ دے گا۔فوزیہ کانپتی آواز میں کہا۔

فیصل نے خشمگیں نظروں سے پہلوان نما شخص کو گھورا۔اس کا اعتماد پہلے ہی فیصل کو دیکھ کر متزلزل ہو چکا تھا۔ایک سیکنڈ میں اس نے فیصل کے لمبے قد اور فوجی کٹ بالوں کو دیکھ کر دو جمع دو کا حساب لگا لیا تھا۔اب وہ اس حساب کتاب کو تولنے میں مصروف تھا۔آخر اس بدمعاش نے ایک اور دلیرانہ کوشش کرنے کا فیصلہ کیا۔

ایسے کئی اور خط ہیں میرے پاس گھر پر پڑے ہیں۔جلدی جلدی فیصلہ کرو۔میں نے ابھی یہ خط یہاں بانٹ دیئے تو تمہاری لڑکی ساری زندگی کے لیے گھر بیٹھی رہ جائے گی۔اس نے اکڑ کر کہا۔

فیصل نے بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھ کر اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھا لیا اور رکھ کر ایک مکا اس کے جبڑے کے نیچے دیا۔اس نے ایک ہاتھ سے اس کا بازو مروڑ کر اس کی پشت سے لگا دیا اور دوسرے بازو سے اس کی گردن شکنجے میں کس لی۔

آپی میرا فون نکالیں۔اس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

زنیرہ نے جلدی سے بڑھ کر اس کی جیب سے اس کا فون نکالا۔

جنرل صاحب کو فون کریں۔اس نے اونچی آواز میں کہا تو زنیرہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

جنرل صاحب؟

ملا لیا نمبر؟ لائیں میرے کان سے لگائیں فون فیصل نے کہا۔

زنیرہ نے اسی طرح بند فون اس کے کان سے لگا دیا۔

السلام علیکم سر! میجر فیصل خان بول رہا ہوں۔فیصل نے کڑک کر خاموش فون میں کہا تو زنیرہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی دبا لی۔

we have an emergency sir، ایک شخص بدمعاشی کرتا پکڑا گیا ہے سر۔بیوہ خاتون کو بلیک میل کررہا ہے۔یس سر! دہشت گرد ہے سر۔یس سر! میں نے پکڑ لیا ہے سر۔وہ خالص فوجی انداز میں سر کا لفظ جھٹکا دے کر ادا کررہا تھا۔

عین اس وقت اس کے کان سے لگے فون پر کال آنے لگی۔زنیرہ گڑبڑا گئی۔فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین سے گرپڑا۔لیکن فیصل بھی پھر فیصل تھا، اس کو بھی سورڈ آف آنر مفت میں نہیں ملی تھی۔اس کے حواس قائم رہتے تھے۔اوہو! کال کٹ گئی تھی۔اب جنرل صاحب کال کر رہے ہیں۔اٹھا کر فون مجھے دیں۔اس نے رسان سے کہا۔

زنیرہ نے فون اٹھا کر کال کاٹی۔فون سائیلنٹ پر لگایا اور پھر اسے اس کے کان سے لگا دیا۔

یس سر! سور ی سر۔کال کٹ گئی تھی۔یہ بولنے کے بعد اس نے تھوڑا وقفہ لیا پھر بولا:

یس سر! میرے قابو میں ہے سر۔

یس سر!پسٹل میرے پاس ہے۔گاڑی میں پڑی ہے۔فکر نہ کریں سر۔باندھ کر گولی ماردوں گا۔بچے گا نہیں۔یس سر، اوکے سر۔

اب تک موٹے شخص کا منہ لالچقندر ہو چکا تھا۔فیصل نے اس کی گردن چھوڑ ی اور پھرتی سے اس کا دوسرا بازو بھی اس کی کمر سے لگا دیا۔

مارچ! اس نے دبنگ آواز میں حکم دیا۔

معاف کر دیں صاحب غلطی کی معافی دے دیں۔آئندہ شکایت نہیں ہو گی۔موٹے نے گھگھیا کر کہا۔

وہ تو ویسے بھی نہیں ہو گی۔ابھی تمہیں گولی ماردوں گا تو آئندہ شکایت نہیں ہو گی تم سے۔فیصل نے اس کے بازو کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔

معاف کر دیں صاحب! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔پہلوان رونے لگا۔

اوئے! لڑکی سے چکر چلاتے وقت نہیں یاد آئے چھوٹے چھوٹے بچے؟ فیصل نے کڑک دار فوجی انداز میں پوچھا۔

وہ روتا رہا، فیصل کچھ سوچنے کی اداکاری کرتا رہا۔

کتنے بچے ہیں تمہارے؟ آخر اس نے پوچھا۔

پانچ! سارے ہی چھوٹے ہیں جی۔بوڑھے ماں باپ بھی ہیں۔اس نے گھگھیا کر کہا۔

ماں باپ بھی ہیں ؟ فیصل نے اس طرح چونک کر کہا جیسے یہ دنیا کی سب سے انوکھی بات ہو۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

خط کہاں ہیں باقی؟ فیصل نے اس سے پوچھا۔

اور کوئی خط نہیں ہے جی بس یہی ہیں سارے۔اس نے ناک سڑک کر کہا۔

تو بکواس کیوں کر رہا تھا پہلے ؟ فیصل نے ایک اور جھٹکا اس کے بازو کو دیا۔

غلطی ہو گئی جی وہ شخص اب باقاعدہ رونے لگا تھا۔

آنٹی آپ کیا کہتی ہیں؟ چھوڑ دوں اسے یا گولی ماردوں؟ فیصل نے فوزیہ سے پوچھا۔

گولی مار دو۔فوزیہ نے جذباتی ہو کر کہا۔

فیصل کا خیال تھا وہ کہے گی چھوڑ دو اور اس بہانے اسے چھوڑ دے گا لیکن یہاں تو یہ چھچھوندر گلے میں اٹک گیا۔پہلوان پھر سے گھگھیانے لگا تھا۔فیصل کی شکل دیکھ کر زنیرہ کو ہنسی آگئی۔ہمیشہ کی طرح یہاں بھی وہ اس کی مدد کو آئی اور فوزیہ کو سمجھا بجھا کر اس بدمعاش کو معاف کرنے پر رضامند کر لیا۔

دیکھیں نہ آنٹی شادی کا موقع ہے۔اس موقع پر یہ بات ہو ئی تو لوگ سو سو باتیں کریں گے بدنامی ہو گی۔یہ نہ ہو بارات واپس چلی جائے۔وہ فوزیہ کو رضا مند کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یوں اس بدبخت کی جان چھوٹی۔فیصل نے دو چار اپرکٹ مزید اس کی ٹھوڑی پر رسید کیے۔ایک دو ٹھڈے طاہر نے بھی مار کر بہادروں میں نام لکھوایا اور کمر پر لات رسید کر کے اسے دفع کیا۔

فوزیہ بے چاری فیصل کے گھٹنے پکڑنے لگی۔

ارے ارے یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔فیصل تیزی سے اسے اٹھاتے ہوئے بولا۔

میں تو پہلے ہی آپ کے احسانوں کے بوجھ تلے دبی ہوں۔کسی طرح نہیں اتار سکتی۔صرف دعا دے سکتی ہوں۔اللہ آپ کو دنیاو آخرت میں اونچا ترین مرتبہ عطا کرے۔فوزیہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اسے دعائیں دے رہی تھی۔فیصل خوش ہو گیا۔

چیف آف آرمی سٹاف! اس نے زیر لب کہا۔

☆...☆...☆

میجر فیصل خان! جنرل صاحب کا فون۔باہر ٹینٹ میں بیٹھ کر زنیرہ ہنستی رہی۔

ایڈونچر ہی ہو گیا یار۔بڑا عرصہ ہو گیا تھا کسی کو اس طرح دھمکائے۔فیصل بھی ہنسنے لگا۔

میرے تو ہاتھ سے فون ہی گر گیا جب اچانک تمہاری بات کے بیچ میں گھنٹی بجی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اور آنٹی کو بھی دیکھو کتنے آرام سے بولیں گولی ماردو۔فیصل نے قہقہہ لگایا۔

ویسے فیصل مجھے بڑا ترس آیا ان پر۔دیکھو کیسے غریب لاچار لوگوں کو ستاتے ہیں یہ بھیڑیئے۔

ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ان کا بیٹا طاہر بھی بالکل بے کار پھرتا ہے۔میں سوچ رہا ہوں اس کو اپنے پاس بلاؤں اور اس کی پکی نوکری کا بندوبست کروں۔ فیصل نے سنجیدگی سے کہا۔

یہ تو تم بہت نیکی کا کام کرو گے۔پیروں پر بھی کھڑا ہو جائے گا اور سرکاری نوکری کا ٹھپہ بھی ہو جائے گا برادری میں۔

دولہن رخصت ہوگئی۔فوزیہ نے ایک آنسو نہ بہایا۔وہ آکر زنیرہ کے پاس بیٹھ گئی۔میں بڑی خوش قسمت ہوں جی۔مجھ سے زیادہ خوش قسمت عورت تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

زنیرہ نے اس کے ٹوٹے پھوٹے گھر کو دیکھا ، گھر پر راج کرتی غربت کو دیکھا، اس کی بیوگی پر نگاہ کی پھر اس کے بیٹے کے ناکارہ پن پر نظر ڈالی۔اسے اپنے آپ پر شرم آئی۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دنیا میں محبت سے بڑھ کر کچھ نہیں۔۔اس کے آگے نہ اس کے پیچھے۔ہر روگ محبت کا، ہر شان محبت کی، ہر ایثار محبت کا، ہر تخلیق محبت کی۔ یہ صبر ایوب میں ہے، گریۂ یعقوب میں ہے، دمِ عیسیٰ میں ہے، یدِ بیضا میں ہے، شعبِ ابی طالب کی گھاٹیوں میں ہے ، عام الحزن میں ہے ، انصار کے گھروں میں بٹتی ہے، بدھ کے پیڑ کے نیچے گیان کرتی ہے، لکشمن کی بانسری کے سروں میں ناچتی ہے۔یہی خدائی کا جوہر، یہی بندگی کا است، یہی اول، یہی آخر یہی ظاہر یہی باطن۔ہر سو، ہر سمت، ہر ذرہ، ہر کرن، ہر الفت ، ہر نفرت، صرف محبت، سوزو ساز و دردوداغ و جستجو و آرزو۔۔ صرف محبت، صرف محبت!زنیرہ نے انا کو تیاگ دیا ، خدمت کو اختیار کیا۔

عطیہ نے ممتا کو تھپک کر سلا دیا، اپنی اولاد کی خوشی کے لیے اس کی جدائی قبول کی، فیصل نے سالارِ لشکر ہونے کی آرزو میں ریاضت کشی کو شعار کیا۔

فوزیہ کے گھر میں جشنِ مسرت منایا گیا ، طاہر کی نوکری لگ گئی، ثنا کی سکیچ بک میں سبزہ زاروں کی جگہ سبز آنکھوں نے لے لی۔

رہ گئیں دادی، تو۔۔۔۔

سن فیصل! ایک لڑکی دیکھی ہے میں نے

میرے لیے؟

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نہیں نہیں ، عادل کے لیے۔

کون ہے؟ کیا کرتی ہے ؟کیا کرتی ہے؟

دادی سوچ میں پڑ گئیں۔ان کی یاداشت کا اب یہی عالم رہنے لگا تھا۔یادداشت اب ختم ہورہی تھی۔پرانی سے پرانی باتیں ازبر تھیں، صبح ناشتے میں کیا کھایا تھا، یہ بھول جاتی تھیں۔

عطیہ نے فون نرمی سے دادی کے ہاتھ سے لے لیا۔

شمیم آراء کی بات کررہی ہیں کل اس کی فلم دیکھ بیٹھی ہیں ،بس کل سے رٹ ہے کہ اس کی عادل سے شادی کرائیں گی۔انہوں نے چپکے سے بتایا اور فیصل ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگیا۔

☆...☆...☆

کہاں گئے تھے یہ دن؟ میں نے خود کھو دیے تھے یہ لمحے یا میرے ہاتھوں سے وقت نے چھین لیے تھے؟ زنیرہ نے عامر کے ساتھ لان میں ٹہلتے ہوئے سوچا۔

اسے اپنی شادی کے پہلے پانچ سال یاد آئے، جب ان دونوں کے درمیان محبت تھی، اعتماد تھا، الفت تھی۔عامر لڑکھڑایا تو بے ساختہ زنیرہ نے اسے سہارا دیا۔

تھینک یو! اس نے دھیمے سے کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہ مسکرائی۔شاید ان کے رشتے کو ایک مرتبہ پھر سے جوڑنے کے لیے ایک جھٹکا دینا ضروری تھا۔

سنار جانے تو اس کا کام اس کے کانوں میں آواز گونجی ، اس نے عامر کا ہاتھ تھام لیا۔

زنیرہ جب گھر واپس آئی تھی تو ملازم عامر کو ہسپتال لے گئے تھے۔زنیرہ اسے واپس گھر لے آئی۔اس کی دوا، خوراک ، ہسپتال کے وزٹ ، اس نے عامر کے لیے دن رات تیاگ دیے۔وہ بخار کی شدت میں نیم بے ہوشی کے عالم میں بڑ بڑاتا رہا۔ زنیرہ اسے پٹیاں، اس کے تلوے سہلاتی، رات کو جاگ کر اسے دوا کی خوراک دیتی، وہ اچھا ہونے لگا، اس سے نظریں چرانے لگا، اس کا احسان مند ہونے لگا۔

میرا خیال تھا تم واپس نہیں آؤ گی۔ایک دن اس نے رات کو سونے سے پہلے دھیرے سے کہا۔

تم بیمار نہ ہوتے تو نہ آتی۔زنیرہ نے اندھیرے میں چھت کو دیکھتے ہوئے کہا۔وہ خاموش ہو گیا۔بڑی دیر خاموش رہا۔پھر اس نے ہولے سے زنیرہ کا ہاتھ چھوا۔

تھینک یو! وہ مسکرائی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ایک بات بتاؤں عامر؟ جب آپ توانا اور عروج پر ہوتے ہیں۔تو آپ کے ساتھ اڑنے کو بہت تتلیاں آتی ہیں لیکن جب آپ کم زور اور لاغر ہوجاتے ہیں تو صرف بیوی ہوتی ہے ساتھ نبھانے کو

عامر خاموش تھا، سوجب کہ زنیرہ نے مسکرا کر کروٹ بدل لی۔

☆...☆...☆

فوزیہ کے صبر کے دن گزر گئے۔اب اس کے شکر کے دن تھے۔بیٹی عزت سے بیاہی گئی۔بیٹا نوکری پر لگ گیا۔جس بیماری کو وہ اپنے لیے موت کا پیغام سمجھی تھی، وہ اس کے لیے اپنی زندگی کی نوید لائی تھی۔وہ بیمار پڑتی، نہ لاہور جاتی، نہ اسے سرور صاحب ملتے، نہ فیصل اس کی بیٹی کی شادی پر آتا اور نہ ہی آج طاہر سرکاری نوکری پر لگتا۔

فیصل نے طاہر کو اپنے پاس بلالیا تھا۔طاہر پہلے ہی اس کا اس قدر عقیدت مند تھا کہ فیصل اسے زہر کھانے کو بھی کہہ دیتا تو وہ بھی کر گزرتا۔فیصل نے اسے اپنے پاس کچھ عرصہ رکھ کر تیاری کروائی، پھر ائیر فورس میں ائیر مین کی نوکری کا امتحان دلوایا۔طاہر پاس ہو گیا۔نوکر ی ، کوارٹر ،پینشن۔۔اس کی زندگی بن گئی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

فوزیہ نے فیکٹری کی نوکری چھوڑ دی۔اب اسے کام کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟ اس کا بیٹا کماؤ پوت بن گیا تھا۔طاہر کی پہلی پوسٹنگ کامرہ ہوئی تھی۔فوزیہ کے دل میں بیٹے کی شادی کے ارمان جاگ اٹھے۔زندگی کا کیا بھروسہ ؟وہ بیٹے کی خوشی دیکھ لیتی ، پوتا کھلا لیتی ، اس سے بڑھ کر خوشی تو اس نے خواب میں بھی نہ دیکھی تھی ۔

فوزیہ نے خاندان کی سب سے اچھی لڑکی کا رشتہ مانگا فوراً ہی قبول کر لیا گیا۔یہ سب اس نوکری کا کمال تھا جو فیصل نے دلوائی تھی۔فوزیہ اٹھتے بیٹھتے فیصل کو دعائیں دیتی تھی۔طاہر کی شادی ہو گئی۔فیصل آسکا نہ زنیرہ۔ایک کو چھٹی نہیں ملی، دوسری کو فرصت، وہ اپنی زندگیوں میں مصروف تھے۔زندگی انہیں دیکھ کر مسکراتی تھی اوروہ زندگی کو۔

☆...☆...☆

فیصل کو جب بھی موقع ملتا وہ بھاگم بھاگ مونا لیزا پہنچ جاتا۔لیکن وہ جب بھی نظر آئی اپنے امی، ابو اور بھائی کے ساتھ ہی نظر آئی۔وہ پریڈ گراؤنڈ کے پاس اسے ملنے کی آس میں ٹہلتا رہتا۔قریشی صاحب کو بھی شام کی چہل قدمی شاید کسی ڈاکٹر نے کہہ رکھی تھی۔وہ ایک دن کا بھی ناغہ نہ کرتے تھے۔شو مئی قسمت سے اگر فیصل

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پر نظر پڑ جاتی تو اس سے بات چیت کرنے کھڑے ہو جاتے۔ ان کی موجودگی میں ثنا سے بات کرنا تو درکنار ، وہ ڈھنگ سے اسے دیکھ بھی نہ سکتا تھا۔دو تین باتیں کرکے قریشی صاحب اپنی راہ لیتے اور فیصل دل مسوس کررہ جاتا۔اسے اپنے آپ پر غصہ آتا۔پچھلی ملاقات میں فون نمبر کیوں نہ لیا اس نے ؟ خیر اب ذرا موقع تو ملے۔یہ قریشی صاحب بھی تو ٹلنے کا نام نہیں لیتے۔کباب میں ہڈی! بیمار بھی نہیں پڑتے۔بلائے بے درماں کی طرح ہر وقت محبوب کے سر پر سوار رہتے ہیں۔

ادھر فیصل پیچ و تاب کھاتا تھا، ادھر ثنا آنند کے تار چھیڑتی تھی۔یہی تو فرق ہے مرد اور عورت کی محبت میں۔مرد ملاقات چاہتا ہے ،عورت دید پر ہی خوش ہوجاتی ہے۔

ایبٹ آباد کی پہاڑیوں نے برف کی چادر اوڑھ لی، سبزہ سفید ہو گیا۔پائن کے درخت فادر کرسمس کا انتظار کرنے لگے۔ثنا اپنے امتحانوں میں مصروف ہو گئی۔فیصل نے کاکو ل سے ایبٹ آباد آنا نہ چھوڑا۔ہار مان لینا اس کی سرشت میں نہیں تھا۔ناموافق حالات اور ناکامی اس کی ضد نہ توڑ سکتے تھے۔اس کا ارادہ مزید مصمم ہوتا چلا جاتا تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تقدیر اور تدبیر کے عجیب کھیل ہیں، دونوں بلا کی طاقتور ہیں۔دونوں اپنی اپنی جگہ زندگی کو بنا دیتی ہیں، تو توڑ بھی دیتی ہیں۔دونوں اپنی فطرت میں تخلیقی بھی ہیں، تخریبی بھی۔چاہیں تو جہاں سنوار دیں، چاہیں تو عالم بگاڑ دیں جو تقدیر پر راضی بہ رضا ہو جاتے ہیں، تدبیر ان پر افسوس کرتی ہے۔جو صرف تدبیر پر بھروسہ کرتے ہیں، تقدیر ان پر ہنستی ہے۔لیکن کوئی کوئی خوش قسمت ایسا ہوتا ہے جس کے لیے یہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ایک منظر نامہ تخلیق کرتی ہیں اور پھر اسے بازو سے پکڑ کر۔۔اس منظر میں لا کھڑا کرتی ہیں۔

فیصل دفتر کے کسی کام سے ایبٹ آباد گیا تھا۔کام جلدی ہو گیا، اس نے گھڑی دیکھی۔پریڈ گراؤنڈ اور مونا لیزا کا چکر لگایا جاسکتا تھا۔اس کی آنکھوں کے سامنے ثنا کا چہرہ آگیا۔مسکراتا ہوا معصوم چہرہ۔آخری مرتبہ جب وہ اسے نظر آئی تھی تو اس نے کس رنگ کا لباس پہن رکھا تھا ؟ فیصل نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ایسی باتیں وہ نوٹ کرتا تھا نہ اسے یاد رہتی تھیں۔شاید گلابی! اس نے سوچا، کینٹ کی کشادہ سڑکوں پر گاڑی چلتے چلتے اسے گلابی کپڑوں میں ایک لڑکی نظر آئی۔فیصل کو اس پر ثنا کا گمان ہوا۔

اس حد تک سوچنے لگا ہوں میں اس کے بارے میں؟ اب وہ مجھے جگہ جگہ نظر آنے لگی ہے۔فیصل نے حیران ہو کر سوچا۔

وہ آگے نکل آیا تھا۔اس نے بیک ویو مرر میں نظر ڈالی۔وہ لڑکی اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور وہ سچ مچ ثنا تھی۔

فیصل نے اس زور کی بریک لگائی کہ برف سے پھسل کر سڑک پر اس کی جیپ کئی فٹ تک پھسلتی چلی گئی۔اس نے جلدی سے اسے ریورس گئیر میں ڈالا اور پیچھے لے آیا۔کود کر وہ جیپ سے اترا تو اس کے چہرے پر بے یقینی ، حیرت اور خوشی صاف لکھی نظر آرہی تھی۔

خلافِ معمول ثنا اسے دیکھ کر مسکرائی نہیں۔وہ ہراساں سی کھڑی تھی۔اس کی گاڑی درخت سے بُری طرح ٹکرا گئی تھی اور بونٹ انجن میں دھنس گیا تھا۔وہ بے بسی سے اس کے پاس کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ہاتھ میں موبائل فون تھا جو ڈیڈ لگ رہا تھا۔یہ وہی منظر تھا جسے دیکھ کر فیصل کی تمام حسیات بیدار ہوجاتی تھیں۔وہ آگے بڑھ کر معاملات اپنے ہاتھ میں لینے کا عادی تھا۔یہ تو پھر ثنا کا معاملہ تھا۔

آپ کو چوٹ تو نہیں آئی ؟اس نے ثنا سے پوچھا۔

زیادہ نہیں۔وہ ابھی ہراساں کھڑی تھی۔

مطلب چوٹ آئی ہے، کہاں لگی ہے چوٹ؟ فیصل نے تشویش سے کہا۔

یہ کہتے کہتے اس کی نظر ثنا کے ماتھے پر پڑی۔جہاں نیل کا نشان ابھر رہا تھا۔ثنا نے ہلکے سے اس نشان کو چھوا۔

نہیں! کچھ زیادہ چوٹ نہیں لگی۔اس نے اپنا ماتھا سہلاتے ہوئے کہا۔

فیصل گاڑی کی طرف متوجہ ہوا۔اس کا بونٹ پچک گیا تھا۔

کیسے ہوا ایکسیڈنٹ؟ اس نے تشویش سے پوچھا۔موٹر سائیکل کو بچاتے بچاتے۔شاید میں ٹھیک طرح بریک نہیں لگا سکی۔اس نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

نہیں آپ کا قصور نہیں آج کل سڑکوں پر پھسلن ہے، برف باری کے بعد اس طرح کے ایکسیڈنٹ ہو جاتے ہیں۔فیصل نے تسلی دی۔

وہ خاموش رہی۔

آپ نے اسے سٹارٹ کرنے کی کوشش کی ؟ فیصل نے پوچھا۔

جی! لیکن سٹارٹ نہیں ہو رہی۔اس نے فکر مندی سے کہا۔میں کوشش کرتا ہوں ۔چابی دیجیے۔اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا تو ثنا نے چابی اس کی طرف بڑھا دی۔

جب فیصل اس کے ہاتھ سے چابی لے رہا تھا تو اس کا دل چاہا وہ ہمیشہ اسی طرح کھڑی اس کی طرف چابی بڑھاتی رہے اور ہ اس سے چابی لیتا رہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

حد ہو گئی یہی ہے تیرے رومانس کی انتہا فیصل ؟ اس نے اپنے آپ کو ڈانٹا۔

اس سوال کے جواب میں اس کے ذہن نے اسے کئی منظر دکھانے شروع کیے جن میں نہ گاڑی تھی ، نہ چابی اور نہ قریشی صاحب۔وہ منہ پھیر کر مسکرایا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ساتھ والی سیٹ پر ثنا کا پر س پڑا تھا اور ایک سکیچ بک جو شاید جھٹکا لگنے سے کھل گئی تھی۔فیصل نے اس کے دونوں صفحات پر آنکھیں دیکھیں۔سبز آنکھیں۔۔۔اس کی اپنی آنکھیں۔۔وہ دم بہ خود رہ گیا۔وہ جانتا تھا وہ اسے پسند کرتی ہے مگر اس حد تک؟ وہ آج تک اس کی مسکراہٹ کو، اس کی چمکتی آنکھوں کو، اس کی خوش مزاجی کو پسندیدگی پر محمول کرتا آیا تھا۔اس نے یہ فرض کر لیا تھا کہ مرد ہونے کے ناطے اس کی پسندیدگی زیادہ شدت رکھتی ہے اور ثنا تک اس کی محبت کی آنچ نہیں پہنچ پائی۔لیکن یہ آنکھیں؟ اس نے ہاتھ بڑھا کر سکیچ بک کا صفحہ اگلے دونوں صفحے بھی آنکھوں سے بھرے تھے۔

جس جوش سے فیصل نے گاڑی سٹارٹ کی ، اصولاً اسے سٹارٹ ہو جانا چاہیے تھا مگر افسوس کہ گاڑی پانی بیٹری سے چلتی تھی ، فیصل کے دل سے نہیں۔اگر وہ اس کے انجن میں اپنا دل فٹ کر سکتا تو سڑکوں پر دوڑنا تو ایک طرف رہا ، وہ اڑنے لگتی۔

دو تین مرتبہ کوشش کرنے کے بعد وہ گاڑی سے نکل آیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

لگتا ہے انجن damage ہو گیا ہے۔اس نے اپنی خوشی چھپاتے ہوئے کہا تو ثنا نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔

میرے فون کی بیٹری بھی ختم ہے۔آپ کے پاس فون ہو گا؟ میں ابو کو کال کرلوں۔اس نے کچھ شرمندگی سے پوچھا۔

فیصل نے غیر محسوس انداز میں سائیڈ پاکٹ میں پڑا فون مزید نیچے کھسکا دیا۔

کرواتا ہوں میں فون قریشی صاحب کو۔اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

اوہو مجھے لگتا ہے میں فون بھول آیا۔معصومیت سے کہا۔

اب آئیڈیل سچویشن تو یہ ہوتی کہ بے چاری اکیلی لڑکی رونے لگتی اور فیصل ہیرو کی طرح اسے خاموش کرواتا، اس کے آنسو پونچھتا اور اپنی جیپ میں بٹھا کر اسے گھر چھوڑ آتا، لیکن ایسا ہو نہیں۔

ثنا نے اعتماد سے گاڑی میں سے اپنا پرس نکالا ، گاڑی لاک کی اور مزے سے بولی: خیر اب کیا ہو سکتا ہے۔گھر قریب ہی ہے۔میں پیدل چلی جاتی ہوں۔

اور فیصل یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ اس کی ثنا پیدل جائے؟

آپ پیدل مت جائیے۔گھر اتنا بھی قریب نہیں، میں آپ کو جیپ میں چھوڑ دیتا ہوں۔اس نے ثنا کو آفر کی۔

نہیں! امی ابو یہ پسند نہیں کریں گے۔ثنا تامل سے بولی تو فیصل کی امیدوں پر پانی پھر گیا اف! یہ امی ابو۔

وہ کچھ دیر یونہی سوچتا رہا۔اگر وہ اس کے ساتھ جیپ میں نہیں جانا چاہتی تھی تو پھر وہ اس کے ساتھ پیدل بھی نہیں جائے گی۔

گاڑی یہاں نہیں چھوڑی جا سکتی ایک تو یہ آدھی سڑک گھیرے کھڑی ہے ،دوسرے یہاں سے چوری ہونے کا خدشہ ہے۔فیصل نے آخری کوشش کی۔

آپ گاڑی میں بیٹھیں۔اس کی ہینڈ بریک نیچے کریں۔میں آپ کی گاڑی گھر تک چھوڑ آتا ہوں۔اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

آپ گاڑی گھر تک دھکا لگا کر لے جائیں گے ؟ ثنا نے بے یقینی سے پوچھا۔

جی ہاں۔

سڑک ڈھلوانی پر ہے۔ثنا نے سڑک کی طرف اشارہ کیا۔

اتنی زیادہ بھی نہیں۔ثنا متاثر نظر آنے لگی۔وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔

اچھا! کوشش کر کے دیکھ لیجیے۔اس نے حیرت اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات سے کہا۔

ثنا نے گاڑی میں بیٹھ کر ہینڈ بریک نیچے کی، سٹیئرنگ سیدھا کیا اور فیصل نے اسے پیچھے دھکیل کر درخت سے علیحدہ کیا۔گاڑی سڑک پر آگئی تو وہ اس کے پیچھے آگیا اور دھکا لگانے لگا۔کچھ گاڑی بھی چھوٹی تھی، کچھ سڑک بھی سیدھی تھی، کچھ جوانی کا زور بازو تھا، کچھ محبت کی طاقت بھی تھی اور کچھ تقدیر کی شرارت بھی تھی، گاڑی بڑی آسانی سے اگلی سڑک پہنچ گئی۔یہ سڑک اونچائی کی طرف جاتی تھی۔ثنانے گاڑی کی بریک لگائی اور سر باہر نکالا۔

اس سڑک پر نہیں چڑھے گی گاڑی۔اس نے نفی میں سر ہلاکر کہا۔

چڑھ جائے گی۔فیصل نے اپنی جیکٹ اتارکر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھتے ہوئے کہا۔

سڑک کی ایسی کی تیسی اس نے دل ہی دل میں بڑھک ماری۔

کئی چڑھائیاں اور ڈھلوانیں آئیں، آخر گاڑی پریڈ گراؤنڈ کے کنارے پہنچ گئی۔ثنا نے سٹیئرنگ موڑ کر گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی کی۔سامنے اس کا گھر تھا ، وہ گاڑی سے نکل آئی۔فیصل گاڑی کے پیچھے کھڑا ہاتھ جھاڑ رہا تھا۔اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے تھے۔وہ اپنی جیکٹ اٹھانے کے لیے جھکا تو ثنا نے دیکھا کہ اس شدت کی سردی میں بھی اس کی شرٹ پسینے میں بھیگ کر اس کی کمر سے چپک چکی تھی۔

ثنا کے دل پر بہت اثر ہوا۔اتنی دور سے گاڑی کو چڑھائی والی سڑکوں پر دھکا لگا کر لانا واقعی آسان کام نہیں تھا۔اسے اس بات کا احساس تھا کہ اتنی مشقت فیصل نے صرف اس کے لیے اٹھائی ہے۔اس نے گاڑی میں سے پانی کی بوتل نکال کر فیصل کو دی۔وہ ایک سانس میں سارا پانی پی گیا۔ثنا نے دیکھا، اس کے ہاتھ بھی سرخ ہورہے تھے۔فیصل نے پانی پی کر سڑک کے دائیں بائیں دیکھا اور ثناکو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔سڑک پار کرکے وہ اس راستے پر اتر آئے جو ثنا کے گھر کو جاتی تھی۔

گھر بڑا پیارا ہے آپ کا۔فیصل نے گھر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

شکریہ! ابھی تو سردی میں پھول ختم ہو گئے ہیں۔بہار میں پھولوں کے ساتھ زیادہ اچھا لگتا ہے۔ثنا نے مسکرا کر جواب دیا۔

پھول نہیں تو کیا ہوا آپ بیٹھ جایا کیجیے باغ میں۔فیصل نے شوخی سے کہا تو ثنا کے گال سرخ ہو گئے۔کچھ دیر دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔

لیکن یہ راستہ کیوں اتنا پتھریلا ہے؟ فیصل نے خاموشی توڑی۔

I see!، دل والوں کا ٹیسٹ کرنے کے لیے لگائے گئے ہیں یہ پتھر؟ثنا نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تو فیصل ہنس پڑا۔

وہ گیٹ تک پہنچ گئے تھے۔

آپ کا بہت شکریہ! ثنا نے گیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

کس بات کا ؟ فیصل نے انجان بن کر

میری مدد کرنے کا۔

کل کیجیے گا شکریہ ادا۔فیصل نے ہاتھ جیبوں میں ڈالتے ہوئے کہا۔

کیوں کل کیا ہو گا ؟ اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

بس انتظار کریں کل کا۔فیصل بھی کم نہیں تھا۔

دونوں کچھ دیر کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

خداحافظ! ثنانے ہولے سے کہا

خداحافظ! فیصل نے بادل نہ خواستہ کہا۔

وہ گیٹ کھول کر اندر چلی گئی۔

اگلی صبح ثنا نے اٹھ کر اپنی کھڑی کا پردہ ہٹایا تو ششدررہ گئی۔گیٹ سے آگے سڑک تک کے راستے پر بجری کے اوپر سُرخ گلا ب کی پتیاں کسی قالین کی طرح بچھی تھیں۔دل والے نے اپنا دل اس کے قدموں میں رکھ دیا تھا۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سبزہ زاروں نے برف کا سفید چولا اتار کر ست رنگی چُنری اوڑھ لی۔سڑکوں پر پھسلن ختم ہو گئی۔پائن کے درخت جوان لگنے لگے ، ثنا کے گھر میں پھول کھل اٹھے ۔کچھ پھول اس کے دل میں بھی کھلتے تھے، ان کی خوش بو سے اس کا تن من مہکتا تھا۔کیسی عجیب سی محبت تھی یہ! فیصل نے کچھ کہا نہ ثنا نے، ادھوری سی چند ملاقاتیں، ڈھکی چھپی سی چند باتیں۔نہ اظہار ہوا، نہ وعدے ہوئے نہ خط لکھے گئے، نہ تحفے بھیجے گئے، نہ فون پر باتیں ہوئیں اور وہ دونوں ایک ان دیکھی سنہری زنجیر میں بندھ گئے۔

فیصل کو دو مہینے کے کورس کے لیے پشاور جانا پڑا۔وہ ہر نئی اسائنمنٹ اور نئے تجربات کے لیے بہت پر جوش ہوتا تھا۔پورا پورا دن کلاسز ہوتیں۔ورکشاپس، لیکچر ز اسے کام کے علاوہ کسی چیز کا خیال نہ آتا۔لیکن جب وہ رات کو سونے لیٹتا تو ثنا کا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے آجاتا۔ثنا کی آواز اس کے کانوں میں لہرانے لگتی۔جب اس نے ثنا کی سکیچ بک میں اپنی آنکھیں بنی دیکھی تھیں، تو اسے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ بندھن معمولی نہیں۔یہ محبت چندروزہ نہیں، زندگی بھر کی بات ہے۔اپنے دل کو تو وہ جانتا ہی تھا ثنا کیا سوچتی تھی وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ اب اسے یقین تھا۔اس کی سکیچ بک اور وہ اس کا چیلنج۔۔۔۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

انہی پتھروں پر چل کر اگر آسکو تو آؤ

ڈھکا چھپا سا عندیہ تھا۔کس مشکل سے اس نے راتوں رات پھول منگوائے تھے۔صبح تین بجے دوستوں کے ساتھ جا کر اس کے گھر کے پتھریلے راستے پر پھول بچھا آیا تھا۔کاش وہ اس وقت اس کا چہرہ دیکھ سکتا جب اس نے وہ سرخ پھولوں کا قالین دیکھا ہو گا۔وہ حیران ہوئی ہو گی یا خوش ہوئی ہو گی؟ وہ تصور میں اسے دیکھتا اور اس کے چہرے پر نظر جمائے نیند کی وادی میں اتر جاتا۔

☆...☆...☆

زنیرہ کی زندگی میں آہستہ آہستہ سکون آنے لگا تھا۔عامر کے وہی مصروف شب وروز دوبارہ شروع ہو گئے تھے مگر اس میں ایک تبدیلی آتی جارہی تھی۔وہ اس کا احسان مند تھا۔اس کا یہ زعم ٹوٹ گیا تھا کہ زنیرہ اس کے گھر کی ایک فالتو چیز ہے اور وہ اپنا گھر اور اپنی زندگی اس کے بغیر بھی بہ خوبی چلا سکتا ہے۔اس کے پاس پیسہ ہے ، ملازم ہیں ، بیوی نہ بھی ہوتی تو کیا فرق پڑتا ہے۔اس کی بیماری نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے۔اب یہ طبق کتنے دن تک روشن رہنے تھے ، یہ زنیرہ نہیں جانتی تھی۔اس نے تو بس اپنی معمول کی زندگی شروع کر دی تھی ۔سید صاحب کی باتوں نے اس پر جادو کا سا اثر کیا تھا۔ان کی بچے کے بارے میں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کی گئی پیشین گوئی نے اسے ہر دوسری چیز سے بے نیاز کر دیا تھا۔عامر سے ، اس کی مصروفیت سے اور شاید اس کی گرل فرینڈ سے بھی۔اگرچہ وہ کبھی کبھار موقع ملنے پر اس کا فون چیک کر لیتی تھی لیکن اس میں اسے کچھ نہ ملتا تھا۔کوئی میسج نہیں ، کوئی کال نہیں یا تو عامر یہ معاملہ ختم کر چکا تھا یا وہ کال اور میسج ڈیلیٹ کر نے کا ماہر ہو گیا تھا۔زنیرہ کو اب کچھ خاصی پروا بھی نہ رہی تھی۔اس نے اللہ سے سکون مانگا تھا، اسے سکون مل گیا تھا۔وہ اپنے آپ میں مگن تھی۔وہ جب شاپنگ پر نکلتی، بچوں کی چیزیں خرید کر واپس آجاتی۔ان چیزوں کو اپنے کمرے میں سامنے ہی رکھ دیتی، آتے جاتے چھوٹے چھوٹے کپڑوں، جوتے، ہیئر بینڈز اور جرابوں پر اس کی نظر پڑتی اور اس کا دل خوشی سے معمور ہو جاتا۔سید صاحب کی آواز اس کے کانوں میں آتی۔

انشا اللہ تمھارا بچہ ضرور ہو گا۔وہ ضعیف الا عتقاد نہ تھی۔کسی انسان کو عالم الغیب نہ جانتی تھی مگر یہ وہ امید تھی جس پر یقین کرنے کووہ دل وجان سے آمادہ تھی۔ یہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی کی آس تھی۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

فیصل کا کول واپس آیا تو سب سے پہلے بھاگم بھاگ ایبٹ آباد گیا۔پریڈ گراؤنڈ کی سڑک پر اسے قریشی صاحب تنہا ٹہلتے نظر آئے۔اس کی ساری خوشی پر اوس پڑ گئی ۔وہ دو مہینے بعد ثنا کو دیکھنے کی آس میں آیا تھا۔کہاں تھی وہ؟ یہ سوال وہ کسی سے نہیں پوچھ سکتا تھا۔قریشی صاحب سے تو بالکل نہیں۔

دو دون و ہ نہ آسکا۔کہیں جا کر تیسرے دن اسے ثنا کی جھلک نظر آئی۔وہ اپنی گاڑی میں کہیں جارہی تھی۔یہ وہی گاڑی تھی جسے فیصل دکھا لگا کر اس کے گھر تک لایا تھا۔فیصل ضرور اس کا راستہ روک لیتا مگر اس کے ساتھ اس کی امی تھیں۔وہ دل مسوس کر رہ گیا۔اکیڈمی آکر بھی وہ بجھا بجھا رہنے لگا تھا۔ اسے سار ی دنیا ظالم لگنے لگی۔

خود ترسی کے عالم میں اسے زیادہ دن نہ رہنا پڑا۔ایک دن وہ مونا لیزا گیا تو قریشی صاحب اور ان کی بیگم وہاں سے نکل رہے تھے۔وہ فوراً اوٹ میں ہو گیا۔قریشی صاحب اپنے دھیان میں نکل گئے مگر علی کی اس پر نظر پڑ گئی۔

آپ کو معلوم ہے لاہور جارہے ہیں ہم؟ اس نے خوشی خوشی فیصل کو بتایا۔

ہیں؟ کیوں ؟ واپس کب آؤ گے ؟ اور لاہور میں کہاں۔۔۔؟ وہ ایک سانس میں ہی سارے سوال پوچھنے لگا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اور آپ کو معلوم ہے وہاں ہمارے کزنز بھی آئیں گے۔۔۔

علی کے پیچھے کھڑی ثنا نے تین انگلیاں فیصل کو دکھائیں۔

کیا؟

تین دنوں کے لیے جارہے ہو؟ فیصل نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

جلو پارک بھی جائیں گے۔ علی اپنی روانی میں لگا ہوا تھا۔

ثنا نے نفی میں سر ہلایا۔

تین ہفتے ؟ فیصل پریشان ہوا۔

آجاؤ بچو! قریشی صاحب کی آواز آئی۔

ثنا نے نفی میں سر ہلایا اور علی کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

تین مہینے ؟ فیصل نے بے یقینی سے کہا۔

تین مہینے! وہ دھم سے کرسی پر گر گیا۔

قریشی صاحب آپ کو اللہ پوچھے۔ فیصل اپنی آواز کہیں اندر سے آتی ہوئی محسوس کی۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

فیصل کے لیے ایبٹ آباد ویران ہو گیا تھا۔ اسے مونا لیزا اور پریڈ گراؤنڈ سے نفرت ہو گئی۔ اس نے عادل کو فون کیا اور اس سے لڑ پڑا۔

تم نے کہا تھا افاقہ ہو جائے گا۔ وہ بے ساختہ چیخ پڑا۔

دوائی لینی پڑتی ہے بیٹا۔ عادل نے آرام سے کہا۔

کیسی دوائی؟ اس کا لہجہ اب بھی سخت تھا۔

اس سے ملنا چھوڑ دو ، ایکسر سائز ڈبل کر دو، رات کو جلدی کھانا کھا کر نماز پڑھو اور فوراً سو جاؤ۔ ہفتے بھر میں ٹھیک ہو جاؤ گے۔ عامر جیسے واقعی اسے نسخہ پڑھ کر سنا رہا تھا۔

فیصل نے بھنا کر فون بند کر دیا۔

کیسے گزریں گے تین مہینے؟ یہاں تو ایک ہی مہینے میں دل ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ وہ بڑ بڑاتا رہا۔

دو مہینے فیصل نے مصیبت کے وقت کی طرح گزارے۔ اب نہ جانے یہ عشق تھا یا ایبٹ آباد کا پانی، اس کے بال تیزی سے گرنا شروع ہو گئے تھے۔ تین مہینے میں سر کے بال آدھے گر گئے۔ اس نے ایک ہفتے کی چھٹی لی اور لاہور جا پہنچا۔ ہمیشہ کی طرح وہ آتے ہوئے زنیرہ کو بھی لیتا آیا۔ دادی اور عطیہ نہال ہو گئیں۔ فیصل جب

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بھی آتا تھا ،گھر ہنسی مذاق ، قہقہوں اور آوازوں سے بھر جاتا تھا۔عطیہ کچن میں گھس گئیں۔اس کی محبت کاسب سے بڑا اظہار اپنے بچوں کو کھلانے پلانے میں تھا۔ دادی کی سوئی حسبِ معمول عادل کے رشتے پر اٹکی تھی۔

بڑی اچھی لڑکی ہے، پھوپھو خالدہ یاد ہیں تمہیں ؟ انہوں نے فیصل اور زنیرہ کو بتایا۔ ہماری کوئی پھوپھو خالدہ بھی تھیں ؟ فیصل زنیرہ کی طرف دیکھنے لگا اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

کون پھوپھو خالدہ دادی؟ زنیرہ نے پوچھا۔

وہ جو گوری سی تھیں، لمبے قد کی، نہیں نہیں! تمہارے پیدا ہونے سے پہلے مر گئی تھیں۔دادی نے یاد کروایا تو فیصل ہنسنے لگا۔

ہاں یاد آیا۔اپنی پیدائش سے پہلے کے لوگوں کو تو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ آپ کی پھوپھو خالدہ جنت میں ملی تھیں مجھے، میں کھیل رہا تھا کہ لاٹھی ٹیکتی آئیں اور بولیں ڈاکٹروں نے ٹھیک علاج نہیں کیا۔ فیصل ہنستے ہوئے بول رہا تھا۔

چپ کر بڑی پیاری پھوپھی تھیں میری۔دادی برا مان گئیں۔

لیکن دادی و ہ تو مر گئیں۔اب عادل کی شادی ان سے کیسے ہو گی ؟ فیصل نے ہنس کر پوچھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پوری بات سنا کر، بیچ میں مت بولا کر۔دادی نے اسے ڈپٹا۔

پھوپھو خالدہ کی بیٹی ہے رضیہ!

یعنی آپ کی کزن؟ زنیرہ نے لقمہ دیا۔

ہاں! اس کی پوتی ہے، بڑی پیاری ہے۔میں پچھلے دنوں شادی میں گئی تھی نا، اوہووہی ننھی کے بیٹے کی شادی پر۔تو وہاں میں نے دیکھی۔فوراًمجھے پسند آگئی۔دادی نے اس کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا۔

اچھا؟ کیا نام ہے اس کا؟ کیا کرتی ہے؟ زنیرہ کو دلچسپی ہوئی۔

نام؟ دادی سوچ میں پڑ گئیں۔

شمیم آرائ۔فیصل نے کہا۔

بڑا پرانے زمانے کا نام ہے۔زنیرہ نے حیرت سے فیصل کو دیکھا اور بڑبڑائی۔

ہاں ہاں! شمیم آرائ۔تمہارے داد ا جی نے پہلی فلم مجھے اسی کی دکھائی تھی۔سفید غرارہ پہنا ہوا تھا اس نے اور اوپر ساٹن کی پھولوں والی قمیص سر پر چار موم کا دوپٹہ۔۔۔۔۔دادی خوش ہو کر بولیں اور وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

فیصل کو عادل کے رشتے سے کوئی دل چسپی نہ تھی۔وہ سرور کے ساتھ ان کے کاموں کیلئے نکل جاتا۔ان کی ریٹائرمنٹ قریب تھی۔زندگی کا ایک طویل حصہ تھا جسے اب انہیں سمیٹنا تھا۔فیصل کو احساس تھا کہ دونوں بیٹوں کی عدم موجودگی میں وہ اپنا ہر کام اکیلے کرتے تھے۔وہ جب بھی آتا تھا، تو ان کے زیادہ سے زیادہ کام کرنے کی کوشش کرتا تھا۔بل جمع کروانے ، گاڑی کو ورک شاپ لے جانا، ڈاکٹر کی اپائنمنٹس، یہ سب وہ کام اپنے ذمہ لے لیتا تھا۔

جب سے آیا ہے فیصل دوگھڑی کو ہمارے ساتھ نہیں بیٹھا باہر ہی پھرتا رہتا ہے۔ دادی نے شکوہ کیا۔

میرے کاموں سے جاتا ہے اماں۔اب آپ ہی کے پاس رہے گا۔سرور نے انہیں تسلی دی۔

میں نے فون کیا تھا رضیہ کو کل جائیں گے اس کے گھر ، تم لوگ اس کی پوتی کو دیکھ لینا، پھر عادل کا رشتہ دے دیں گے۔دادی نے بتایا۔

اماں مجھے تو کل کہیں جانا ہے۔آپ لوگ ہو آیئے گا، فیصل لے جائے گا۔سرور نے کہا۔میں کیا کروں گا وہاں جا کر؟ میرا وہاں کیا کام؟ فیصل گڑبڑا کر بولا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

لے تیرا کام کیوں نہیں؟ تو لڑکے کا بھائی ہے۔ہونے والی بھابھی کو دیکھنا ضروری ہے۔دادی بولیں۔

چلے جاؤ، وہ خوش ہو جائیں گی۔سرور نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا۔

لیکن ابو کل تو۔۔۔وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

کل میں ذرا مصروف ہوں۔

کہاں مصروف ہو؟ سرور نے پوچھا۔

کچھ کام ہے۔اس نے گول مول جواب دیا۔

اماں آپ لوگوں کو کتنے بجے جانا ہے ؟ سرور نے پوچھا۔

شام کو چھے بجے!

چھے بجے تک آجاؤ گے تم؟ سرور نے فیصل کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

کوشش کروں گا۔فیصل نے تابع داری سے کہا۔

اگلے دن وہ صبح صبح گھر سے غائب ہو گیا۔سارا دن اس کا کچھ پتا نہ چلا، زنیرہ نے ایک دو مرتبہ اسے فون بھی کیا لیکن اس نے فون نہیں اٹھایا۔شام کو دادی ،عطیہ اور زنیرہ تیار ہو کر اس کے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھ گئیں۔

کہاں رہ گیا؟ کچھ بتا کر بھی نہیں گیا۔عطیہ بار بار گھڑی دیکھتیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آجائے گا امی، بچہ تو نہیں ہے۔گیا ہو گا دوستوں میں۔سارہ نے کہا۔

ہاں ہاں! بڑا ذمہ دار ہے میرا بچہ۔دادی نے فخر سے کہا۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور فیصل اندر داخل ہوا۔دادی ،عطیہ اور زنیرہ تینوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

یہ کیا؟ عطیہ کے منہ سے نکلا۔

فیصل! تم ہیئر ٹرانسپلائٹ کروا کر آئے ہو؟ زنیرہ نے بے یقینی سے کہا۔

فیصل نے بھنویں اچکا کر انہیں دیکھا اور بڑی بے نیازی سے بولا:

ہاں!

لیکن کیوں؟ گنجے تو نہیں ہوئے تھے تم ابھی زنیرہ نے حیرانی سے کہا۔

ہورہا تھا آپی! اس سے پہلے کہ معاملہ میرے ہاتھ سے نکلتا، میں نے سوچا کچھ تدبیر کرلوں۔

اے وہ شہزادہ بھی تو گنجا ہے۔دادی نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

کون سا شہزادہ ؟ فیصل نے حیران ہو کر پوچھا۔

میرا خیال ہے پرنس ولیم کی بات کررہی ہیں۔زنیرہ بولی

ہاں ہاں! وہی اس نے تو بال نہیں لگوائے۔دادی کو یاد آگیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

لگوانے چاہیے تھے۔وہ انسان ہی کیا جو سمارٹ نظر نہ آئے۔فیصل دروازے کی طرف مڑا۔

کتنا خیال ہے اس اپنی سمارٹنیس کا۔عطیہ نے ہنس کر کہا۔

فیصل نے گردن موڑ کر عطیہ کو دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

کیاکروں امی ، میں ہیرو بنے بغیر نہیں رہ سکتا۔

☆...☆...☆

دادی کی کزن کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ لڑکی اپنے ماں باپ کے ساتھ کہیں گئی ہے۔یہ دادی نے ان لوگوں کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ لڑکی دیکھنے آرہے ہیں۔عادل کا کیا بھروسہ؟ شادی کے لیے مانے یا نہ مانے، بعد میں شرمندگی تو نہ ہو گی۔عورتیں بیٹھی باتیں کررہی تھی اور فیصل جی بھر کر بور ہوتا رہا۔ اسے زیادہ دیر بیٹھنے کی عادت نہیں تھی۔جب بیٹھے بیٹھے اسے اپنے ہاتھ پاؤں بے کار لگنے لگے تو وہ پانی پینے کے بہانے اٹھا۔ڈرائینگ روم کے ساتھ متصل ڈائینگ روم تھا۔اس نے وہاں جا کر ایک گلاس میں پانی ڈالا اور پینے لگا۔اس کے دائیں طرف دیوار پر ایک سنہری فریم والا آئینہ لگا تھا۔وہ پانی پیتے پیتے اپنے نئے نویلے بال دیکھنے میں مگن تھا، جب آئینے میں اسے وہ نظر آئی۔وہ دروازے سے اندر داخل ہورہی تھی۔ پانی کا گھونٹ

فیصل کے گلے میں اٹک گیا۔اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ تیزی سے وہ اس کی طرف مڑا۔ تبھی ثنا کی نظر اس پر پڑی۔وہ بھی ہکا بکا رہ گئی۔ وہ جہاں تھی وہیں تھم گئی اور دم بہ خود فیصل کو دیکھنے لگی۔اسی وقت اس کے پیچھے سے قریشی صاحب نمودار ہوئے ، ساتھ ہی ان کی بیگم اور کچھ دوسرے لوگ میں ثنا بھی کھنچی کھنچی ڈرائنگ روم کی طرف چلی گئی۔

☆...☆...☆

رات کو فیصل نے زنیرہ کے دروازے پر دستک دی۔زنیرہ اس کو اتنا سنجیدہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔وہ چپ چاپ آکر اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور کتنی ہی دیر سر جھکائے بیٹھا رہا۔پہلے تو زنیرہ اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرتی رہی۔پھر اسے احساس ہوا کہ معاملہ کچھ گڑ بڑ ہے۔پوچھنے کی دیر تھی کہ وہ پھٹ پڑا ، ساری بات الف سے یے تک زنیرہ کے گوش گزار کر دی۔ہوں! تو یہ بات ہے۔لڑکی تو پیاری ہے۔زنیرہ نے پر سوچ لہجے میں کہا۔

فیصل خاموش رہا۔

لیکن فیصل صرف شکل و صورت دیکھ کر تو آپ اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتے۔زنیرہ اسے سمجھانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔وہ اب بھی چپ رہا۔

تمہیں اس میں کیا پسند ہے ؟ زنیرہ نے نرمی سے پوچھا۔

ذہین ہے، شریف ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ خوش مزاج ہے۔اس نے سنجیدگی سے روانی میں کہا۔

یہی تین چیزیں اہم ہیں ایک لڑکی میں۔زنیرہ نے سر ہلایا۔

بالکل! فیصل نے پرجوش انداز میں کہا۔

زنیرہ کچھ دیر پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

تم ابھی صرف تیئس سال کے ہو۔زنیرہ نے اسے یاد دلایا۔

وہ بھی صرف اٹھارہ سال کی ہے۔آج آپ لوگ اسے عادل کے لیے پسند کررہے ہیں، کل کو کوئی اور پسند کرے گاتو میں کیا کروں گا؟ ابھی تو وقت میرے ہاتھ میں ہے اور پھر میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوں۔اگلی پوسٹنگ جہاں ہو گی وہاں گھر بھی مل جائے گا۔بیوی افورڈ کرسکتا ہوں میں۔وہ شاید اسے قائل کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

میں تو آج تک یہی سمجھتی تھی کہ تم مذاق کرتے ہو اپنی شادی کے بارے میں۔

زنیرہ مسکرائی۔

مذاق ہی کرتا تھا مگر اب سیریس ہوں۔فیصل نے کہا۔وہ اب بھی سنجیدہ تھا

تم فکرمت کرو۔میں ابو سے بات کرتی ہوں۔زنیرہ نے تسلی اسے دی۔

☆...☆...☆

زنیرہ کی طرح عطیہ اور دادی بھی یہی سمجھیں تھی کہ ہمیشہ کی طرح یہ بھی ایک مذاق ہے۔انہوں نے عادل کو ثنا کی تصویر بھی بھیج دی تھی۔انہیں وہ عادل کے لیے بہت پسند آئی تھی۔فیصل کی شادی کا تو دور دور تک کوئی ارادہ نہ تھا۔زنیرہ نے سرور کی عدالت میں کیس دائر کردیا۔وہ بھی پس و پیش میں پڑ گئے۔انہیں فیصل کی کم عمری پر اعتراض تھا، لیکن فیصل بھی اتنی جلدی ہار ماننے والوں میں سے نہ تھا۔ وہ منگنی کر دینے پر اصرار کرتا رہا۔عطیہ پریشان ہو گئیں۔

کیسے کردوں؟ ابھی بڑے بھائی کی ہوئی نہیں ، چھوٹے کی کردوں۔انہوں نے سرور سے کہا۔

اب عادل نہیں مانتا تو کیا کریں؟ اس کی خاطر فیصل کی بھی شادی نہ کریں ؟ ٹھیک ہے کم عمر ہے لیکن مالی طور پر مستحکم ہے۔لائق ہے، ترقی کے چانسز ہیں، انکار کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔سرور نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

عقل مندی اسی میں ہے کہ جب وہ اپنے منہ سے کہہ رہا ہے تو اس کی شادی کردو۔جوان لڑکا ہے ، اپنے پیروں پر کھڑا ہے۔اسے آزمائش میں مت ڈالو۔دادی نے بھی اپنی تجویز پیش کی۔

فیصلہ ہو گیا۔زنیرہ نے فیصل کو فون کیا۔وہ اپنے کمرے میں بیٹھا تھا، دوڑا چلا آیا، آؤ بیٹھو! ضروری بات کرنی ہے تم سے۔سرور نے سنجیدگی سے کہا۔

ان کی سنجیدگی سے فیصل کچھ پریشان ہو گیا۔وہ جتنا مرضی خود مختار ہو جاتا باپ سے بحث نہیں کرسکتا تھا۔اس نے اپنا کیس لڑنے کے لیے خود کو تیار کر لیا۔اس کی شکل دیکھ کر عطیہ ہنس پڑیں۔انہوں نے اٹھ کر اس کا ماتھا چوما۔

فکر مت کرو! ہم وہاں تمہارے رشتے کے لیے راضی ہیں انہوں نے پیار سے کہا۔ سرور بھی مسکرارہے تھے۔فیصل کو تو اپنے کانوں پر یقین ہی نہ آیا۔

لیکن ایک بات میں کلیئر کر دوں ابھی ہم صرف تمہاری منگنی کریں گے۔کیریئر کی اس سٹیج پر تم شادی نہ کرو تو بہتر ہے۔انہوں نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

ہاں! سال دو سال تک عادل کے لیے بھی رشتہ ڈھونڈ لیں، تب تک تمہاری پروموشن ہوجائے گی، تب شادی کر دیں گے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

فیصل سعادت مندی سے سر جھکائے سنتارہا۔اس کی مسکراہٹ تھی کہ چھپائے نہ چھپتی تھی۔

میں بھی کہوں یہ ہیرو کیوں بنا پھرتا ہے، بال بھی لگوا آیا، اب پتا چلا یہ تو کسی اور ہی چکر میں ہے۔دادی نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

اس وقت عطیہ کے فون کی گھنٹی بجی۔

عادل کا فون ہے اس کو بھی خوش خبری سناتی ہوں۔عطیہ نے خوش ہو کر کہا۔

ہیلو! ہاں بیٹا سب خیریت ہے۔ایک اچھی خبر ہے۔عطیہ نے فون کان سے لگائے کہا۔

امی میرے پاس بھی اچھی خبر ہے۔وہ جو تصویر آپ نے مجھے بھیجی ہے ، مجھے وہ لڑکی مناسب لگی ہے۔میں اب پاکستان آؤں گا تو اس سے ملوں گا۔پھر کچھ فیصلہ کرلیں گے۔عادل روانی میں بول گیا، لیکن عطیہ جہاں تھیں، وہیں جم کررہ گئیں۔

☆...☆...☆

عطیہ ہمیشہ کہتی تھی کہ فیصل اپنی ضد کا پکا ہے، دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے، جس بات پر اَڑ جائے، کرکے چھوڑتا ہے۔مگر وہ کتنا ضدی ہے، اس کا اندازہ انہیں اب ہوا۔سب سے پہلے اس نے عادل کو فون کیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بھائی جان آپ ذرا میری بات سنیں! جس لڑکی کومناسب سمجھ کر آپ کچھ فیصلہ کرنے کا سوچ رہے ہیں یہ وہی لڑکی ہے جس ساتھ عشق میں افاقے کی تراکیب آپ مجھے بتاتے رہے ہیں۔لہٰذا آپ اپنی زبان پر قائم رہیں اور نو گو ایریا میں قدم نہ رکھیں۔وہ غصے میں ہمیشہ عادل کو بھائی جان کہتا تھا۔

عادل ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا ، فیصل نے فون پٹخ دیا۔دوسری دھمکی اس نے عطیہ اور دادی کو دی۔

یہ مت سمجھیے گا کہ اگر عادل نے دل چسپی ظاہر کردی ہے تو میں دست بردار ہو جاؤں گا۔اگر آپ نے میری شادی یہاں نہ کروائی تو میں جب بھی ڈپیوٹیشن پر جاؤں گا، وہاں سے میم بیاہ لاؤں گا۔

اللہ نہ کرے! دادی نے ہو ل کر کہا۔

تو پھر آپ کچھ کریں، میرا رشتہ طے کریں اور فوراً کریں۔فیصل نے اٹل انداز میں فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔تیسرا الٹی میٹم اس نے ابو کو دیا۔اب وہ منگنی نہیں سیدھا شادی کرنا چاہتا تھا۔اس سارے چکر میں بہت سی الجھنیں تھیں جنہوں نے اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی۔پہلا روڑہ تو خود اپنے گھر میں عطیہ کی طرف سے آیا جو بڑے بھائی سے پہلے چھوٹے کی شادی نہ کرنا چاہتی تھیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وہ منگنی پر راضی تھیں مگر شادی پر نہیں، زنیرہ نے ہر محاذ پر فیصل کا کیس کسی ماہر وکیل کی طرح لڑا۔اس نے عادل کو فون کر کے اسے امی کو قائل کرنے کا ٹاسک سونپا کہ اسے اپنے سے چھوٹے بھائی کی پہلے شادی پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ وہ دل وجان سے چاہتا ہے کہ فیصل کی شادی کر دی جائے تاکہ دونوں خواتین کی قربانی کے بکرے کے سر پر سہرا سجانے کی دلی خواہش پوری ہو اور وہ اس کا پیچھا چھوڑیں۔

دوسرا پتھر ثنا کے گھر والوں کی طرف سے آیا جن کو فکر تھی کہ ثنا ابھی کم عمر ہے۔زنیرہ نے فیصل کی عمر کا ثنا کے ساتھ جوڑ ثابت کرنے میں اپنے سارے دلائل صرف کر دیے۔تیسرا خدشہ ثنا کی نامکمل تعلیم کے حوالے سے تھا۔یہاں بھی زنیرہ نے ذاتی ذمہ داری پر وعدہ کیا کہ ثنا کی تعلیم حاصل کرنے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔سوال جواب ہوئے ، مشورے ہوئے ، دونوں طرف کی دادیوں کے بیچ جذباتی سین ہوئے۔آخر قریشی صاحب نے فائنل ووٹ ڈالا اور فیصل کے حق میں فیصلہ کر دیا۔فیصل کو معلوم ہوا تو اسے قریشی صاحب کے بارے میں اپنے پرانے ارادوں پر بہت شرمندگی ہوئی۔اب ملیں گے تو ان کا سر ضرور چوم لوں گا۔

یوں فیصل کا رشتہ ثنا کے ساتھ طے ہو گیا اور شادی کی تاریخ رکھ دی گئی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

☆...☆...☆

ثنا کو یہ سب خواب کی طرح لگتا تھا۔وہ بار بار ذہن میں فیصل سے اپنی پہلی ملاقات ، وہ پریڈ گراؤنڈ کے کنارے واک، مونا لیزا میں ٹکراؤ، وہ اکیڈمی میں اس کے ساتھ باتیں ، وہ سرخ پھولوں کا قالین۔۔۔وہ یہ یادیں دہراتی اور پھر اپنے ہاتھ میں پہنی اس کے نام کی انگھوٹھی کو دیکھنے لگتی۔اسے یقین نہ آتا تھا۔زندگی میں دیکھا گیا پہلا پہلا خواب پورا ہو رہا تھا۔جسے چاہا تھا ، وہی زندگی کا ہم سفر بننے جارہا تھا۔وہ اپنی دھن کا پکا اور کردار کا بلند تھا۔وہ اس کے ساتھ فلرٹ نہیں کررہا تھا۔ سچی محبت کرتا تھا۔

ثنا کے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔

☆...☆...☆

فروری کی ایک سہانی شام فیصل اور ثنا کی شادی ہو گئی۔

اب بھی سوچ لو! ابھی تم صرف تیئس سال کے ہو۔پھر نہ کہنا ہم نے سمجھایا نہیں تھا۔عادل نے عین نکاح سے پہلے فیصل کے کان میں سرگوشی کی۔

پورے چار مہینے بعد میں چوبیس سال کا ہو جاؤں گا۔اس نے بھی عادل کے کان میں سرگوشی کی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

رہو گے تو بچے ہی۔

چپ کرو، ورنہ میں یہ ہار اتار کر تمہیں پہنا دوں گا۔میں بھاگ گیا تو تمہیں یہ شادی کرنی پڑے گی۔اس نے عادل کو ڈرانے والے انداز میں۔

اس بات نے عادل کی بولتی بند کر دی اور خیر خیریت سے نکاح ہو گیا۔

فیصل ثنا کو بیاہ لایا۔دادی، عطیہ اور زنیرہ نے اپنے سب ارمان پورے کئے۔اپنے دوستوں میں فیصل پہلا تھا جس کی شادی ہورہی تھی۔انہوں نے خوب ہلہ گلہ کیا اس کے دوست فیصل کو کمرے تک چھوڑنے آئے تو اندر گھس کر بیٹھ گئے اور ثنا کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔فیصل انہیں دھکے دے دے کر باہر نکالتا ، وہ پھر اندر گھس جاتے۔آخر سرور اس کی مدد کو آئے اور پھر کہیں جاکر فیصل کی ان سے جان چھوٹی۔

دروازہ بند کرکے فیصل ثناکے سامنے آکر بیٹھ گیا۔دونوں کی نظریں ملیں، دونوں مسکرائے۔فیصل نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

کیا میں نے کبھی تمہیں بتایا؟ فیصل نے دھیمی آواز میں کہا۔

کیا؟ ثنا نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سوچ رہا ہو ں کن الفاظ میں کہوں۔یہ کہوں کہ I love you ؟ تو Love بہت چھوٹا لفظ ہے ان جذبات کے لیے جو میرے دل میں تمہارے لیے ہیں۔

ثنا شرما گئی۔یہی بات تو اس کے اپنے دل میں بھی تھی۔

تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔اس کی آواز دھیمی تھی لیکن ثنا کے لیے اس کی آواز کے سوا کائنات میں کچھ نہ تھا۔

ارے ہاں میں تو بھول ہی گیا، تمہارا تحفہ! اس نے اچانک کہا یہ کہہ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ثنا نے اشتیاق سے آگے ہو کر دیکھا۔ہاتھ جیب سے باہر نکلا تو اس کی مٹھی بند تھی۔عین اس کی آنکھوں کے سامنے لا کر فیصل نے مٹھی کھولی اس کی ہتھیلی پر ایک چھوٹا سا ہیلی کاپٹر رکھا تھا۔اس کے چھوٹے چھوٹے دروازے کھلے تھے اور دم کا ننھا سا پنکھا گھوم رہا تھا۔

ایک لمحہ کو وہ اسے حیرت سے دیکھتی رہی ، پھر ہنس پڑی۔اس نے ہاتھ بڑھا کر ہیلی کاپٹر اٹھا لیا۔

ہیلی کاپٹر میرا ہو گیا ؟ اس نے ناز سے پوچھا۔

ہیلی کاپٹر کا پائلٹ بھی تمہارا ہو گیا، Buy one, get one free دونوں کی کھنکتی ہنسی سے کمرہ گونجنے لگا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

☆...☆...☆

زنیرہ کو خوشی صرف فیصل کی شادی کی ہی نہیں ملی ، ایک اور شادی کی بھی ملی۔

لاہور آنے سے پہلے اس نے حسب عادت عامر کا فون چیک کیا تو اس میں سحر عثمان کے نمبر سے آئی کال دیکھ کر چونک گئی۔اس نے اپنے نمبر سے اسے فون کیا۔کال فوراً کاٹ دی گئی۔زنیرہ کو غصہ آگیا۔زنیرہ اس کے بینک کال ملائی۔

سحر عثمان سے بات کروادیجیے۔اس نے فون اٹھانے والے سے کہا۔

وہ تو جاب چھوڑ کر جا چکی ہیں۔فون اٹھانے والے نے اسے آگاہ کیا۔

کیوں ؟ زنیرہ کے دل میں خطرے کی گھنٹی بجی۔

ان کی شادی ہو گئی ہے۔اس شخص نے بتایا۔

تو جاب کیوں چھوڑ گئیں؟ زنیرہ چونک گئی۔اس نے اس بریکنگ نیوز کے شاک سے سنبھل کر کہا۔

امریکا چلی گئی ہیں وہ۔اس نے بتایا۔

زنیرہ کے دل پر ٹھنڈی پھوار گری۔اس نے فون بند کردیا۔

خس کم جہاں پاک اس نے اونچی آواز میں کہا۔پھر خود ہی ہنس پڑی۔

I hope she gets the husband she deserves

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

☆...☆...☆

فیصل کی شادی پر فوزیہ طاہر کے ساتھ آئی تھی۔وہ اپنی زندگی میں جن دو لوگوں کی سب سے زیادہ احسان مند تھی ، وہ سرور اور فیصل تھے۔اس نے بڑی خوشی سے شادی میں شرکت کی۔بھاگ بھاگ کر گھر کے کام کرتی رہی۔

ہاں بھئی کیسی چل رہی ہے نوکری ؟ فیصل نے طاہر سے پوچھا۔

بڑی اچھی سر، دعا ہے آپ کی مٹھائی کھلانی ہے آپ کو۔طاہر نے دانت نکال کر کہا۔

مٹھائی تو مجھے کھلانی چاہیے۔میری شادی ہے۔فیصل نے کہا۔

وہ بات نہیں جی! میرے گھر بیٹی ہوئی ہے۔وہ شرما کر بولا۔

ارے! یہ تو واقعی بڑی اچھی خبر ہے۔لاؤ مٹھائی۔فیصل نے خوشی سے کہا۔

فوزیہ کے ساتھ اس کی ایک رشتہ دار لڑکی بھی آئی تھی۔شادی کے ہنگاموں میں وہ چپ چاپ ایک طرف بیٹھی رہتی، کسی نے اس پر زیادہ دھیان نہ دیا۔شادی ہو گئی۔گھر میں ٹھہرے مہمان واپس جانے لگے تو فوزیہ بھی جانے کی تیاری کرنے لگی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

زنیرہ اپنے کمرے میں سامان سمیٹ رہی تھی جب فوزیہ اس لڑکی کے ساتھ اس کے کمرے میں آئی۔

آپ سے بڑی ضروری بات کرنی ہے جی! یہ میری بہن کی بیٹی ہے تسنیم۔زنیرہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

ہاں بولو! پیسے چاہئیں؟ زنیرہ نے کپڑے تہ کرتے ہوئے کہا۔

نہیں نہیں جی۔ تسنیم نے بے ساختہ کہا۔

پھر؟ زنیرہ کے ہاتھ رک گئے۔

وہ کچھ دیر خاموش رہی۔جیسے بات کرنے کے لیے موزوں الفاظ ڈھونڈھ رہی ہو۔

میرے چار بچے ہیں جی۔آخر اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

زنیرہ حیران رہ گئی۔وہ تو چھوٹی سی عمر کی لگتی تھی، دبلی پتلی کمزور سی۔

پانچواں میرے پیٹ میں ہے۔ تسنیم نے بات جاری رکھی۔

زنیرہ آہستگی سے بستر پر بیٹھ گئی۔اس کے لاغر پن، چہرے کی جھائیوں اور آنکھوں کے حلقوں کو وہ غربت کا شاخسانہ سمجھی تھی۔اس نے ہم دردی سے اس لاغر لڑکی کا جائزہ لیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کچھ کھاتی پیتی نہیں ہو تم؟ اس حالت میں تو تمہیں اپنا بہت خیال رکھنا چاہیئے۔زنیرہ کے لہجے میں اب افسردگی تھی۔

کیا کروں جی۔بچوں کا پیٹ بھروں یا خود کھاؤں؟ وہ پھیکی سی ہنسی ہنس پڑی۔

شوہر کیا کرتا ہے تمہارا؟ زنیرہ نے ہم دردی سے پوچھا۔

مر گیا۔اس نے بے تاثر چہرے کے ساتھ کہا۔زنیرہ کا سانس لمحہ بھر کو بند ہوا۔

بے اختیار اس نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

کب ؟ کیسے؟

دو مہینے ہوئے، ایکسیڈنٹ میں۔اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔زنیرہ اس کے جھکے سر کو دیکھ کر سوچتی رہی کہ اسے کن الفاظ میں تسلی دے۔

باجی آپ میرا ایک کام کریں گی ؟اس نے سر اٹھا کر بڑی آس سے پوچھا۔

ہاں کہو!

میں یہ بچہ نہیں پال سکتی۔اب مجھے اپنے بچوں کے لیے کمانے نکلنا ہو گا۔میرے باقی بچے بھی چھوٹے چھوٹے ہی ہیں۔اس بچے کو کون سنبھالے گا؟ اس نے یاسیت بھرے لہجے میں کہا۔

شاید پیسوں کا تقاضا کررہی ہے۔اس نے سوچا لیکن اس کی اگلی بات نے اس کے ہوش اڑا دیئے۔زنیرہ الجھن سے اس کی بات سنتی رہی۔

آپ کے کوئی جاننے والے ایسے ہیں جو بچہ گود لینا چاہتے ہوں ؟ آپ سے اس لیے کہہ رہی ہوں کہ آپ نیک لوگ ہیں ، اپنے جیسے کسی شریف گھرانے میں میرا بچہ دے دیں۔میں بڑی احسان مند ہوں گی جی۔میں یہ بچہ نہیں پال سکتی۔وہ اب باقاعدہ رونے لگی تھی۔

زنیرہ کے ذہن میں روشنی کا ایک کوندا سا لپکا اور اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی۔

سید صاحب کیا میرے گھر اولاد ہو گی؟

تمہارے پاس محبت کا ایک سمندر ہے نچھاور کرنے کو، اللہ نے چاہا تو تمہیں وہ بچہ ضرور ملے گا جسے اس محبت کی ضرورت ہوگی۔اس کے ذہن میں سید صاحب سے ہونے والی گفت گو کی ریکارڈنگ سی چلنے لگی۔

تسنیم کہہ رہی تھی میں لاہور یہ بچہ ضائع کرانے آئی تھی لیکن ڈاکٹروں نے انکار کر دیا۔وہ کہتے ہیں میری جان کو خطرہ ہے۔تسنیم کہے جارہی تھی اور زنیرہ کو لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔

وہ بہ خود بیٹھی رہی۔اس کے کانوں میں اب بھی اس آواز کی باز گشت تھی۔

تمہیں وہ بچہ ضرور ملے گا جسے اس محبت کی ضرورت ہو گی۔اس نے سید صاحب کے الفاظ پر غور نہیں کیا تھا۔وہ پیشن گوئی نہیں کررہے تھے، اسے راہ سمجھارہے تھے۔انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس کے گھر اولاد ہو گی، انہوں نے اسے اپنی محبت کسی ایسے بچے پر نچھاور کرنے کا عندیہ دیا تھا جسے اس کی ضرورت تھی۔

بیٹا ہو یا بیٹی میں دونوں ہی دینے کو تیار ہوں۔تسنیم کہہ رہی تھی۔تمہاری ہیرے کی سنار کے پاس ہے۔وہ جانے اس کا کام زنیرہ ہونک بنی وہ ساری باتیں یاد کررہی تھی۔

آپ بے شک مجھے نہ بتایئے گا کہ آپ نے بچہ کس گھر میں دیا۔بس مجھے آپ کی گارنٹی چاہیے کہ لوگ عزت دار ہوں۔

زنیرہ نے اپنے رخسار پر بہتے آنسو پونچھ لیے اور بے اختیار آگے ہو کر اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھ دیا۔

اس بچے کو میں ایک بہترین گھر دوں گی۔یہ میرا وعدہ ہے۔اس نے نرمی سے کہا۔

☆...☆...☆

آج میرے پاس تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔فیصل آئینے کے سامنے کھڑی ثنا کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔وہ اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ فیصل نے اس کے ہاتھ سے برش لے لیا اور اس کے کمر تک آئے بالوں میں پھیرنے لگا۔

کیسا سرپرائز ؟ ثنا نے اسے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

میں تمہیں کہیں لے کر جارہا ہوں۔

کہاں؟ اس نے بہ غور فیصل کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

تم بتاؤ۔کہاں جانا تمہاری سب سے بڑی خوشی ہے؟

ثنا نے نظریں جھکا لیں۔فیصل نے برش ہاتھ سے رکھ کر اس کا رُخ اپنی طرف موڑا۔

بتاؤ نا! فیصل نے اس کے ماتھے پر آئے ہوئے بال ہٹاتے ہوئے پوچھا:

کہاں جانا چاہتی ہو تم ؟

ثنا نے نظریں جھکائے جھکائے کہا۔ In the arms of my husband.

اُف تمہاری انہی باتوں نے تو مجھے دیوانہ بنا دیا ہے۔فیصل نے نرمی سے اسے بازوؤں میں لے لیا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تو ثنا کسمسا کر پیچھے ہونے لگی۔

رہنے دو! خود ہی چلا جائے گا جو بھی ہو گا۔فیصل نے اس کے بالوں میں منہ چھپائے سرگوشی کی۔

لیکن وہ جو بھی تھا جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔چوتھی دستک پر فیصل نے غصے سے دروازہ کھولا۔

آگے ریسٹ ہاؤس کا چوکی دار کھڑا تھا۔

کیا بات ہے؟ فیصل نے تحمل سے پوچھا۔

سر یہ رقعہ ہے آپ کے نام، ارجنٹ ہے۔چوکی دار نے اسے لفافہ پکڑاتے ہوئے کہا۔

فیصل کاغذ ہاتھ میں لیے پلٹا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

یہ کیا ہے؟ ثنا نے پوچھا۔

تمہارا سرپرائز ہے تمہیں یاد ہے ایک مرتبہ تم نے مجھ سے ایک فرمائش کی تھی؟

وہ آگے بڑھ آیا۔

میں نے ؟ کون سی فرمائش؟ ثنا نے حیرت سے یاد کرنے کی کوشش کی۔

ہیلی کاپٹر رائڈ کی فرمائش، یاد کرو کاکول اکیڈمی میں۔فیصل نے اس کا ماتھا چوم کر کہا۔

اوہ ہاں! اور آپ نے کہا تھا کہ civilians کو رائڈ نہیں دے سکتے آپ۔ثنا نے یاد کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

correct!، اس لیے my darling wife ہم نے آپ کے لیے پرائیویٹ پلین کا بندوبست کیا ہے۔فیصل نے سر خم کرکے کہا۔

ثنا کا منہ کُھلا کا کُھلا رہ گیا۔اس کے تصور میں وہ عظیم الشان پرائیویٹ پلین لہرائے جن پر ارب پتی سفر کرتے ہیں۔

پرائیویٹ پلین ؟ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

ہاں! میرا ایک دوست اسلام آباد میں فلائنگ کلب چلاتا ہے۔اس سے جہاز مانگا، اتھارٹیز سے فلائنگ کی اجازت مانگی اور اب وہ جہاز یہاں کھڑا ہے اور ہمارے پاس اس کو اڑانے کے لیے صرف پندرہ منٹ ہیں۔اس لیے بھاگوووو۔۔۔آخری لفظ اس نے اتنی اونچی آواز میں کہا کہ ثنا کے ہاتھ سے برش گر گیا۔

وہ ہنی مون کے لیے کاغان گئے تھے۔وہاں سے واپسی پر فیصل کچھ دنوں کیلئے کاکول رکا۔ان کا ارادہ ایک مرتبہ لاہور جا کر پھر واپس آنے کا تھا۔وہ چاہتا تھا کہ ثنا کچھ دن لاہور اس کے گھر میں رہ لے تاکہ عطیہ اور دادی بہو کے لاڈ اٹھانے کے ارمان

پورے کر لیں۔کاکول میں اس نے ثنا کو وہ کمرہ بھی دکھایا جہاں اسے رہنا تھا۔یہ بس ایک ہی کمرہ تھا۔

جہاں صرف ایک بیڈ اور دو صوفے رکھنے کی گنجائش تھی۔

اور کچن ؟ کھانے کا کیا کریں گے؟ ثنا نے فکر مندی سے پوچھا۔

میس زندہ باد۔کھانا میس سے آئے گا۔ہم تم عیش کریں گے۔

اور اس عیش کی پہلی کڑی یہ پرائیویٹ پلین تھا۔ بھاگم بھاگ وہ ایئر فیلڈ پہنچے تو پرائیویٹ پلین دیکھ کر ثنا کو ہنسی آگئی۔ننھا منا سا دو سیٹوں والا کھلونا نما جہاز۔

فیصل نے اسے سیٹ پر بٹھا کر چار پانچ بیلٹس اس کے گرد باندھیں۔

comfortable? اس نے پوچھا۔

very! ثنا نے جواب دیا۔

جہاز کا انجن سٹارٹ کرکے فیصل نے ایک ایک چیز کا تفصیلی جائزہ لیا۔ثنا اس کے ہاتھوں کو کنٹرول پینل پر مختلف knobs اور buttons کو چیک کرتے دیکھتی رہی ۔اس نے فیصل کو پہلی مرتبہ ایک پروفیشنل کے طور پر اپنا کام کرتے دیکھا تھا۔ اسے اپنے شوہر پر فخر محسوس ہوا۔

جہاز آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ثنا نے اس کے پروں کو ہلتے دیکھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یہ جہاز۔۔۔۔وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی

ہاں؟ فیصل نے اس کی طرف دیکھا۔وہ جان گیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔اس لیے ہنس کر بولا

فکر نہ کرو، وزن میں ہلکا ہے مگر کارکردگی میں بھاری ہے۔ویسے بھی اپنی جان سے پیاری بیوی کو میں کسی خطرے میں ڈالوں گا؟ اس نے جھک کر ثنا سے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

یار ویسے تم مسکراتے ہوئے بہت پیاری لگتی ہو۔فیصل نے کہا۔

لیکن یہ پیاری مسکراہٹ جلد ہی غائب ہو گئی۔جہاز فضا میں بلند ہو ا تو ثنا کو لگا وہ بس کرسی پر بندھی بیٹھی ہے اور کرسی ہوا میں اڑ ی جارہی ہے۔جہاز کا کیبن شیشے کا تھا اور اس سے زمین و آسمان حدِ نگاہ تک نظر آتے تھے۔ثنا خوف سے دم سادھے بیٹھی رہی۔اسے فیصل کے سامنے اپنے خوف کا اعتراف کرتے ہوئے شرم آتی تھی

۔

ڈر تو نہیں لگ رہا؟ فیصل نے اس کی خاموشی کو محسوس کیا۔

نہیں۔ثنا بہادری سے بولی۔

good! اس نے مطمئن ہو کر کہا:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ابھی ہم پہاڑوں کے پاس سے گزریں گے۔ان پہاڑوں کو تم نے نیچے سے دیکھا ہو گا۔یہ منظر کبھی کبھی دیکھنے کو ملتا ہے۔انجوائے کرو۔تھوڑی دیر بعد ثنا کا ڈر واقعی کم ہوگیا اور وہ سر سبز پہاڑوں کو دیکھنے لگی جن کی چوٹیوں پر برف جمی تھی۔وہ اب ایبٹ آباد کی حدود سے نکل آئے تھے۔

ہم کہاں جارہے ہیں ؟ ثنا نے تجسس پوچھا۔

ایک بہت خوب صورت جگہ۔فیصل نے جواب دیا۔

ثنا کو تو ہر جگہ ہی بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔چیڑ کے درختوں سے لدے پہاڑ سر اٹھائے کھڑے تھے۔ان کے بیچ میں سڑک بل کھاتی چلی جارہی تھی اور اوپر سے سلیٹس ربن کی طرح لگتی تھی۔اس پر چلتی گاڑیاں کھلونا معلوم ہو تی تھیں ۔ایک سر سبز پہاڑ کا چکر کاٹ کر وہ دوسری طرف نکل آئے جہاں پہاڑ بالکل بنجر تھے۔

یہ پہاڑ۔۔۔ثنا کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔

اسی وقت بادل کے پیچھے سے سورج نکل آیا اور پورے کا پورا پہاڑ چاندی کی طرح دمک اٹھا۔ثنا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔فطرت کے اس حسن نے اسے گنگ کر دیا۔وہ کچھ نہ بول پائی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

یہ ابرق کے پہاڑ ہیں۔یہ جگہ ڈھاڈر کہلاتی ہے۔یہیں لانا چاہتا تھا میں تمہیں۔فیصل نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

ابرق کے پہاڑ، چمکتی دمکتی سورج سے آنکھ مچولی کھیلتی ابرق۔ایک زاویے سے دیکھتے تو وہ بالکل عام سا بنجر، سلیٹی پتھروں سے بنا پہاڑ نظر آتا۔اگلے ہی لمحے زاویہ بدلتا اور پورا پہاڑ اس طرح چمک اٹھتا کہ آنکھیں چندھیا جاتیں۔

ایسے یہاں کئی پہاڑ تھے۔فیصل نے ان کے گرد دو چکر لگائے۔اوپر سے ثنا کو کہیں کہیں چشمے بھی بہتے دکھائی دیے۔چشموں کا پانی بھی پگھلی ہوئی چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔نہ جانے اس میں بھی ابرق گھلی تھی یا پہاڑوں کے غیر آلودہ دامن میں وہ سکون سے اپنی شفافیت لئے مسکراتے، گنگناتے بہے جارہے تھے۔

Time to go back! فیصل نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

ثنا مڑ مڑ کر ابرق کے پہاڑوں کو دیکھتی رہی۔یہ خوب صورتی ساری زندگی اس کے ساتھ رہنے والی تھی۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

زنیرہ نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں اور سردی کی نرم گرم دھوپ کو محسوس کیا۔اس نے اپنے سامنے بیٹھے عامر کو دیکھا۔اس میں ابھی تک بیماری کی تھوڑی بہت کمزوری باقی تھی۔

شاید غلطی میری ہی تھی۔میں مسکرانا بھول گئی تھی۔اپنے دکھ میں اتنی اندھی ہو گئی تھی کہ سامنے کھڑی خوشی دیکھنے سے قاصر تھی۔اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

عامر! اس نے یک دم پکارا۔

ہوں؟ وہ تھکا تھکا لگ رہا تھا۔وہ اس کے پاس نرم نرم گھاس پر بیٹھ گئی۔

تم نے کبھی ایڈاپشن کے بارے میں سوچا؟ وہ سیدھا مدعا پر آئی۔

عامر اس اچانک سوال سے چونک اٹھا۔اس نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر سوچتا رہا۔

نہیں زنیرہ! میں کسی دوسرے کے بچے کو پیار نہیں دے سکتا۔کچھ دیر بعد اس نے کہا۔زنیرہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔

اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے۔ایک نرم آواز اس کے ذہن میں گونجی:

راستے کو آسان کرنا پڑتا ہے۔۔۔ہمت سے، دعا سے، صبر سے وہ کوشش کر کے مسکرائی۔

دیکھیں گے! اس نے دل میں کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سنار جانے اس کا کام ۔

☆...☆...☆

میرے پاس آپ کے لیے ایک سرپرائز ہے۔ثنا نے فیصل سے کہا۔

کیسا سرپرائز ؟ وہ دراز کھولے اس میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

آپ کو یاد ہے آپ نے مجھ سے ایک فرمائش کی تھی ؟ ثنا نے پوچھا۔

میں نے ؟ کون سی فرمائش؟ فیصل کے ہاتھ رک گئے۔اس نے سر اٹھا کر ثنا کو دیکھا۔

یاد کریں، کاکول اکیڈمی میں ، منی ایچر کی فرمائش۔ثنا مسکراتے ہوئے اسے یاد دلا رہی تھی۔

او ہاں! یا د آیا، تو بنا لیا تم نے میرا منی ایچر؟ فیصل کام چھوڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

ہاں!

دکھاؤ!

ابھی نہیں دکھا سکتی! ثنا شرما کر بولی۔

ہیں ! وہ کیوں؟ فیصل نے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اکتوبر میں دکھاؤں گی۔وہ شرم کے مارے لال ہوئے جارہی تھی۔

وہ کیوں؟ اکتوبر میں کیا ہے؟ فیصل کا تجسس بھی اب بڑھنے لگا تھا۔

وہ پیدا ہی تب ہو گا۔آخر کار ثنا سر جھکائے شرما کر بولی اور حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات لیے فیصل اسے دیکھتا رہا۔

☆...☆...☆

دو دن سے میں دیکھ رہی ہوں ثنا کچھ چپ چپ سی ہے۔وہ دونوں گھر آئے ہوئے تھے تو عطیہ نے ثنا کی چپ محسوس کرکے سرور سے کہا۔

طبیعت نہ خراب ہو۔سرور نے اخبار سے نظریں ہٹا کر کہا۔

پتا نہیں، نئ نئ شادی ہے، ایڈجسٹمنٹ پیریڈ ہے دونوں کا، کہیں فیصل نے کچھ کہہ نہ دیا ہو۔پوچھوں گی فیصل سے ۔ سمجھاؤں گی اسے۔انہوں نے سوچتے ہوئے کہا۔

فیصل سے کچھ پوچھنے کی نوبت نہ آئی۔اگلے دن عطیہ لاؤنج میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں جب فیصل آکر ان کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گیا۔

پرے ہو کر بیٹھو فیصل! گرمی لگتی ہے مجھے۔عطیہ نے اسے دور کرتے ہوئے کہا۔

امی آپ کو ایک بات بتاؤں۔اس نے روایتی بے نیازی سے کہا۔

ہاں بتاؤ۔ان کا سارا دھیان اخبار پر تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

آپ کا بے بی آنے والا ہے۔وہ بڑے آرام سے بولا۔

کیا؟ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا، جیسے انہیں یقین نہ آیا ہو کہ فیصل نے کیا کہا ہے۔

وہ جو تین بچے میں نے آپ کو دینے کا وعدہ کیا تھا نا ؟ ان میں سے پہلا آنے والا ہے۔وہ ایسے بتا رہا تھا جیسے معمول کی کوئی بات بتا رہا ہو۔

مذاق کر رہے ہو؟ عطیہ حیران ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

نہیں۔

ابھی تو صرف ایک مہینہ ہوا ہے شادی کو ابھی سے۔۔۔دادی نے بے ساختہ کہا پھر کہتے کہتے وہ خود ہی شرما گئیں۔

جی ابھی سے۔وہ بے شرمی سے بولا۔

میں بلا کر لاتا ہوں ثنا کو۔آپ خود پوچھ لیں باقی تفصیلات۔وہ اٹھ کر چلا گیا۔

عطیہ دادی سے لپٹ گئیں۔دادی نے ان کا ماتھا چوم لیا۔

بہت بہت مبارک ہو! اللہ اولاد کی ہزاروں خوشیاں دکھائے۔وہ آب دیدہ ہو گئیں۔

ہر کام میں جلدی پڑی ہوتی ہے اس لڑکے کو۔عطیہ کی خوشی چھپائے نہ چھپتی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پہلے رشتہ کرنے میں جلدی کی، پھر فوراً شادی کے لیے پیچھے پڑ گیا اور اب یہ۔وہ ہنسنے لگیں۔

اور ہم اس کو چھوٹا کہتے تھے۔یہ تو سب سے بڑا نکلا۔دادی پیار سے بولیں۔

☆...☆...☆

ثنا نے اپنے گھر کے اکلوتے کمرے کو خوب سجایا۔خوب صورت لیمپس رکھے، کافی ٹیبل پر کرسٹل کے پیالے میں پانی ڈال کر اس میں تیرنے والے موم بتیاں سجائیں، دیواروں پر اپنی بنائی پینٹنگز اور شادی کی تصویریں لگائیں۔لیڈیز کلب کے فنکشنز میں بھی اس کا دل لگ گیا۔فیصل ہر روز ہنستا مسکراتا گھر آتا۔ میس سے کھانا آجاتا۔ کبھی کبھی دوست بھی اکٹھے ہو جاتے۔ہر دن عید تھا، ہر رات شب رات۔

یہ خوشیاں عارضی ثابت ہوئیں۔ایک دن فیصل منہ لٹکائے گھر آیا۔

میرے پاس ایک اچھی خبر ہے اور ایک بُری خبر۔

پہلے بُری خبر سنا دیں۔ثنا نے اسے پانی دیتے ہوئے فکر مندی سے کہا۔

بُری خبر یہ کہ میری پوسٹنگ سمنگلی ہو گئی ہے، بارڈر ایریا ہے۔میں فیملی ساتھ نہیں رکھ سکتا، بلوچی علیحدگی پسندوں کا زور ہے وہاں۔

ثنا پریشان ہو گئی۔فیصل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے سہلایا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دل مضبوط کرو یار! فوجی کی بیوی ہو۔

اور اچھی خبر کیا ہے؟ وہ زبردستی مسکرائی۔

اچھی خبر یہ ہے کہ میں تمہارے لیے سموسے لایا ہوں۔فیصل نے بے ساختہ کہا۔ثنا ہنس پڑی۔

یہ اچھی خبر ہے ؟ اس نے ہنستے ہوئے مصنوعی خفگی سے کہا۔

اچھی خبر نہیں ہے ؟ اچھا چلو دوسری اچھی خبر سن لو۔مجھے رپورٹ کرنے سے پہلے ایک ہفتے کا ٹائم ملا ہے، گھومنے چلتے ہیں۔پھر تم اپنے پیرنٹس کے گھر چلی جانا۔ اگلے پانچ چھے مہینے تم وہیں آرام سے رہ لینا۔فیصل نے اسے لائحہ عمل بتاتے ہوئے کہا۔

آپ کے بغیر؟ ثنا نے بے ساختہ پوچھا۔میرے بغیر کیوں؟ دل میں بسا کر رکھو میری تصویر جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی۔فیصل نے ڈرامائی انداز میں کہا۔پھر تو گردن مستقل ٹیڑھی ہو جائے گی میری ہروقت جھکائے رکھنے سے۔ثنا نے ہولے سے کہا۔

تو دونوں ہی ہنس دیے۔

فیصل کے چہرے پر کرن کرن روشنی نمودار ہوئی۔محبت کا عکس نور بن کر اس کی آنکھوں میں جھلملانے لگا۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بلوچستان کے بنجر پہاڑوں میں گھری چھوٹی سی ائیر بیس پر فیصل کی پوسٹنگ معمول سے ہٹ کر تھی۔ایک مستقل کشمکش تھی جو علیحدگی پسندوں اور ریاست کے درمیان جاری تھی اور جس سے جنگی بنیادوں پر نمٹا جا رہا تھا۔یہاں ان افسروں کو بھیجا جاتا تھا جو ذمہ دار تھے اور دلیر تھے ، چیلنج کو آگے بڑھ کر قبول کرتے تھے۔

پہلے دن فیصل ہیلی کاپٹر کا جائزہ لینے گیا تو دور کھڑا ایک ائیرمین اسے کچھ جانا پہچانا لگا۔اس نے قریب جاکر دیکھا تو وہ طاہر نکلا۔طاہر اسے وہاں دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھا۔

بیٹی کیسی ہے تمہاری؟ فیصل نے رسمی سلام دعا کے بعد اور گھر والوں کا حال چال پوچھنے کے بعد اس سے سوال کیا۔بالکل ٹھیک ہے جی! بڑی پیاری ہے۔امی کے پاس پتوکی چھوڑ آیا ہوں۔طاہر نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

دو مہینے فیصل نے اس قدر مصروف رہ کر گزارے کہ نہ کھانے کا ہوش تھا نہ سونے کا۔ایک شام اس نے ثنا کو فون کیا۔

میرے پاس دو خبریں ہیں۔ایک دوسرے کا تفصیلی حال چال جاننے کے بعد فیصل نے اس سے کہا۔

پہلے بری خبر سنا دیں۔ثنا نے گھبرا کر کہا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بری خبر کیوں سنا دوں؟ اف کیسی قنوطی لڑکی ہے۔یہ کس نے کہا کہ بری خبر ہے ؟ میرے پاس تو دونوں اچھی خبریں ہیں۔فیصل نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

جلدی سے سنائیں اچھی خبریں۔ثنا خوش ہوگئی۔

تو سنو پہلی اچھی خبر، میرا کورس آرہا ہے چند مہینوں تک کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ میں، وہاں تم بھی میرے ساتھ رہ سکو گی۔پھر اس کے بعد پروموشن۔

مبارک ہو فیصل! یہ تو واقعی بڑی اچھی خبر ہے، اور دوسری خبر؟ ثنا خوشی سے اچھل پڑی۔

دوسری اچھی خبر یہ ہے کہ میں پرسوں آرہا ہوں۔

ثنا کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

کیا ؟ سچی؟ اس نے خوشی سے کانپتی آواز میں کہا۔

مچی! کل صبح مجھے ایک مشن لے کر جانا ہے۔دوپہر تک فارغ ہو جاؤں گا۔پرسوں صبح تمہارے پاس ہوں گا اور پورا ایک ہفتہ رہوں گا۔فیصل نے ہنس کر کہا۔

کل کا دن کیسے گزرے گا ؟ ثنا نے گویا اپنے آپ سے کہا۔پھر فیصل سے بولی:

آپ کے لیے کیا بناؤں؟

بریانی! فیصل نے فوراً فرمائش کرڈالی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

Done!

اور وہ جو چیز کیک تم نے لاہور میں بنایا تھا وہ بھی۔فیصل نے یاد آنے پر کہا۔

وہ تو آپ کی سال گرہ پر بناؤں گی۔ثنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ارے ہاں واقعی! اگلے ہفتے تو میری سالگرہ بھی ہے۔بس تم تیاری کرو میں آیا۔فیصل نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

کتنے سال کے ہو جائیں گے آپ؟ ثنا نے شوخی سے پوچھا۔

میں؟ تیئیس سال کا۔فیصل نے آواز بناتے ہوئے کہا۔

جھوٹے! چوبیس کے ہوں گے۔ثنا نے فوراً بلند آواز میں اسے یاد دلایا۔

اچھا! چلو چوبیس ہی سہی۔فیصل نے یوں کہا جیسے بہ مشکل یہ بات ماننے پر راضی ہو۔

میں کل ہی موم بتیاں منگواتی ہوں۔برتھ ڈے کیک پر لگانے کے لیے، ہاں! باربی کیو بھی کریں گے۔ثنا کی آواز سے خوشی چھلک رہی تھی۔

فیصل خاموش ہو گیا۔پھر بے حد نرمی اور پیار سے کہا۔

اپنے آپ کو تھکا مت لینا جان۔اپنا خیال رکھو۔میں جلد آؤں گا۔خدا حافظ

خدا حافظ! ثنا نے کہا تو ایسا لگا کہ اس کی آواز یک دم روہانسی سے ہوگئی ہو۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

☆...☆...☆

فیصل نے ہیلی کاپٹر کے کنٹرول پینل کی آخری دفعہ چیکنگ کی اور بیلٹ باندھ لی۔ اس کے پانچ ساتھی ایک ایک کرکے ہیلی کاپٹر میں سوار ہوئے۔

فیصل نے گھڑی دیکھی، تین بجنے مین دومنٹ تھے۔پورے تین بجے ان کا ہیلی کاپٹر سمنگلی سے روانہ ہونا تھا۔

all aboard؟ فیصل نے کڑک دار فوجی آواز میں پوچھا۔

all aboard۔اسی کڑک دار انداز میں جواب آیا۔

فیصل نے ایک مرتبہ پھر طائرانہ نظر سے ہر چیز کا جائزہ لیا۔

تین بج چکے تھے۔ہیلی کاپٹر کے پنکھے گھومنے لگے اور رات کی تاریکی میں وہ ایک دیو ہیکل پرندے کی طرح ہوا میں بلند ہوا۔کچھ بلندی پر پہنچ کر اس نے اپنی سمت بدلی اور مڑکر منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔بلوچستان کے بنجر پہاڑ ، نیم صحرائی میدان اور صنوبر کے گھنے جنگل آئے اور گزر گئے۔اب وہ حب ڈیم کے ساتھ پرواز کررہے تھے۔

ہیلی کاپٹر کا پہلا زور دار جھٹکا اس وقت لگا جب وہ ایک نیم پہاڑی علاقے سے متصل گاؤں کے عین اوپر تھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بلوچی millitants کا اٹیک فیصل نے چیخ کر کہا۔

prepare for emergency landing اس نے محتاط انداز میں وارننگ دی۔

اس کے ساتھ ہی تڑ تڑ کی تیز آوازوں کے ساتھ ہیلی کاپٹر پر گولیاں برسنے لگیں۔ پیچھے بیٹھے کیپٹن نے گن سیدھی کی مگر ہیلی کاپٹر بے قابو ہورہا تھا۔کچھ گولیاں اس کے انجن میں لگی تھیں اور کچھ پنکھوں میں، ہیلی کاپٹر گھومنے لگا تھا۔

اب ہم لینڈ نہیں کر سکتے۔فیصل نے خبر دار کیا۔

اب اسے کریش کرنا ہو گا۔میں کاپٹر ڈیم کے اوپر لے جارہا ہوں۔مجھے ہر صورت گاؤں کو بچانا ہے۔we will have to jump

اپنی تمام تر مہارت کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ ہیلی کاپٹر کو ڈیم کی وسیع و عریض جھیل کے اوپر لے آیا۔ہیلی کاپٹر سے گہرا گاڑھا دھواں نکل رہا تھا۔

Now jump! اس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں سے کہا:

ہیلی کاپٹر پانی میں گرا تو اس کے دروازے جیم ہو جائیں گے۔اس سے پہلے پہلے ہم سب کو کودنا ہو گا۔

اس کے ساتھیوں نے تیزی سے life jackets پہننا شروع کیں۔ہیلی کاپٹر کا ایک دروازہ جیم ہو چکا تھا، سب کو ایک ہی دروازے سے کودنا تھا۔

Hurry up! فیصل چلایا۔ ہیلی کاپٹر کو ہوا میں معلق رہنا مشکل سے مشکل ہوتا جارہا تھا۔

سر صرف ایک jacket رہ گئی ہے۔سب سے آخر میں رہ جانے والے نے کہا۔

فیصل نے مڑکر دیکھا، یہ طاہر تھا۔

اس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھااور اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

اسے پہنو اور کود جاؤ! فیصل نے آرڈر دیا۔

جلدی کرو! میں ہیلی کاپٹر کو دور لے جاکر گرانا چاہتا ہوں۔

فیصل بھائی میں آپ کو اس طرح چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔طاہر کی آواز بلند اور لہجہ اٹل تھا۔

طاہر ہیلی کاپٹر پانی میں گرے گا تو اس کے دروازے نہیں کھل سکیں گے۔تم jacket پہنو اور کود جاؤ۔جاؤ دیر مت کرو۔

مگر آپ۔۔۔؟

I will manage! طاہر تمہاری چھوٹی سی بیٹی ہے۔اسے اور تمہاری ماں کو تمہاری ضرورت ہے جاؤ کود جاؤ! فیصل نے فوجی انداز میں اسے حکم دیتے ہوئے کہا۔

طاہر نے jacket پہنی اور گہرے پانی میں چھلانگ لگا دی۔فیصل نے ہیلی کاپٹر کا رخ جھیل کے وسط کی طرف کر دیا۔اس نے نیچے جھانکا۔وہ بہت اچھا تیراک تھا، life jacket کے بغیر بھی تیر کر کنارے تک پہنچ سکتا تھا۔اس نے چھلانگ لگانے کی تیاری کی بیلٹ کے بکل کھولے، عین اسی وقت ہیلی کاپٹر کے انجن میں شعلہ بلند ہوا اور وہ بے قابو ہو کر تیزی سے گھومنے لگا۔فیصل نے اسے کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ہیلی کاپٹر کا رخ بدل چکا تھا اور اب وہ اس جگہ سے تھوڑا ہی دور تھا جہاں اس کے ساتھیوں نے چھلانگ لگائی تھی۔اگر فیصل اس وقت اس کو چھوڑ کر کود جاتا تو ہیلی کاپٹر اپنے زور سے اس کے ساتھیوں پر جاگرتا۔فیصل نے پانی میں تیرتے ہوئے سروں کو دیکھا۔ایک لمحے کا فیصلہ تھا، جو اسے کرنا تھا اس لمحے کی لکیر کے دونوں طرف زندگی کھڑی تھی، اسے ان میں سے ایک کو چننا تھا۔وہ فیصل تھا ، آگے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا۔اسے فیصلے کا اختیار دیا گیا ، ایک لمحے کا اختیار ، اور اس نے فیصلہ کر لیا۔زندگی کو چن لیا۔نہ چنتا تو وردی پہنتا ہی کیوں؟ ہوں جس کو جان و دل عزیز وہ اس کی گلی میں جائے کیوں ؟ اسے وقت سے پہلے تدبیر کرنے کی عادت تھی۔کیا کہا کرتا تھا وہ ؟ ہاں۔ابھی تو وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ایک

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

لمحے کا فیصلہ تھا جو اسے کرنا تھا۔اس نے آگے بڑھ کر وہ لمحہ اپنی مٹھی میں پکڑ لیا، ایک بار پھر وقت سے جیت گیا۔

پوری طاقت سے اس نے ہیلی کاپٹر کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ایک دھماکے سے ہیلی کاپٹر پانی میں گرا۔ جھیل کے وسط میں لہریں اٹھیں ، وہ ڈوبا ، پھر ابھرا۔فیصل نے اس کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔لیکن اس کوشش کا نتیجہ وہ پہلے ہی جانتا تھا۔دروازہ جیم ہو چکا تھا۔ہیلی کاپٹر میں پانی بھرنے لگا تھا۔فیصل نے دوسرے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی اپنے بھاری بوٹ سے اسے ٹھوکریں لگائیں۔دروازہ نہ کھلا۔

☆...☆...☆

عطیہ لوگوں کے ہجوم سے بھرے ایک سٹیڈیم میں کھڑی تھیں۔ڈھول ، تاشے اور شہنائیاں بج رہی تھیں۔لوگوں کے جذبات کا عجیب عالم تھا۔

کس کی شادی ہے؟ انہوں نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

شادی؟ نہیں شادی نہیں جنازہ آنے والا ہے۔جواب آیا۔

عطیہ حیران رہ گئیں۔کچھ دیر زرق برق کپڑوں میں ملبوس آتے جاتے چہکتے گاتے لوگوں کو دیکھتی رہیں۔ڈھول بجنے میں تیزی آچکی تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نہیں یہ تو شادی ہے۔کس کی شادی ہے؟ انہوں نے اصرار کیا۔

شادی نہیں ہے، جنازہ آرہا ہے۔پھر وہی جواب آیا۔

عطیہ کی آنکھ کھلی تو ان کے دل کی دھڑکن اس قدر تیز تھی کہ سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔کیسا عجیب خواب دیکھا تھا انہوں نے۔

سوری امی! فیصل نے سرگوشی میں کہا۔

But I was the captain of the ship.

☆...☆...☆

زنیرہ نے اٹھ کر پانی پیا۔اس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔اس نے سائیڈ ٹیبل سے فون اٹھا کر وقت دیکھا۔ساڑھے تین بجے تھے۔وہ جانتی تھی وہ اب دوبارہ نہیں سو پائے گی۔

☆...☆...☆

ثنا نے ساتھ سوئی ہوئی مریم پر ایک نظر ڈالی اور دبے پاؤں بستر سے اتر گئی۔ساری رات اس نے سوتے جاگتے گزاری تھی۔کیسی عجیب سی کیفیت تھی۔پیٹ میں ایسی اینٹھن تھی کہ سانس نہ آتا تھا اور رہ رہ کر نیند اچٹتی تھی۔اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہو وہ ننھا سا ہیلی کاپٹر اٹھا لیا جو فیصل نے اسے شادی کی رات دیا تھا۔اسے ہاتھ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میں لے کر عجیب سی تسلی ہوئی۔وہ اٹھ کر کھڑکی میں کھڑی ہو گئی اور ایبٹ آباد کی خوب صورت فضا میں سورج طلوع ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

☆...☆...☆

فیصل نے صبح کاذب کا ہلکا سا اجالا افق پر پھیلتے دیکھا۔اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔وہ زیر لب گنگنانے لگا۔شہید کی جو موت ہے ہیلی کاپٹر جھیل کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔آخری نظارہ جو اس کی آنکھوں نے دیکھا، وہ آسمان صبح پر پھیلتی نرم پاکیزہ روشنی تھی۔

☆...☆...☆

عطیہ اٹھ بیٹھیں۔باہر ابھی اندھیرا تھا۔انہوں نے اٹھ کر وضو کیا اور فجر کی نیت باندھی۔دل نماز میں بھی نہیں لگ رہا تھا۔بار بار آیتیں بھول رہی تھیں۔نماز پڑھ کر وہ وہیں جائے نماز پر بیٹھ گئیں۔دل کی بے چینی حد سے سوا ہو چکی تھی۔اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔

☆...☆...☆

زنیرہ کا فون بجا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔گھنٹی بجتی رہی۔عامر کی آنکھ کھل گئی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

فون کیوں نہیں اٹھاتی ہو ؟اس نے کہا۔

فون مت اٹھانا۔زنیرہ کے منہ سے سرگوشی نما آواز نکلی۔لیکن عامر فون اٹھا چکا تھا

۔

☆...☆...☆

ثنا نے کھڑکی کھول دی۔صاف معطر ہوا میں سانس لینے سے بھی اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے نہ پڑے۔آسمان پر ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی۔پریڈ گراؤنڈ میں ڈر م بجنے لگا۔پھر کسی نے کڑک دار آواز میں کہا:

Attention!

yes! I am all attention ثنا نے سرگوشی کی۔

اسی وقت دروازہ کھلا۔ثنا نے مڑ کر دیکھا، امی آہستہ سے دروازہ بند کر کے اندر آگئیں۔ثنا نے ان کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھا، مٹھی میں دبے ہوئے ہیلی کاپٹر پر اس کی گرفت اتنی سخت ہو گئی کہ وہ اس کی ہتھیلی میں چبھنے لگا۔

نہیں امی! نہیں امی۔نہیں امی۔۔۔اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے سسکی لے کر کہا۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کہانی شروع ہو تی ہے ، پھر ختم ہو جاتی ہے۔کہانی ہنستی ہے ، کہانی رلاتی ہے۔اس کے کردار محبت کرتے ہیں، یہ ان کی محبت کے سب رنگوں سے کھیلتی ہے۔یہ اس ماں کی محبت کو دیکھتی ہے جو آج بھی اپنے بیٹے کی ٹھنڈی قبر پر پھولوں سے ، افشاں سے اور موتیوں سے اس کا نام لکھتی ہے۔یہ اس بہن کی محبت کو کھوجتی ہے جو کئی مہینوں تک دیوانہ وار اپنے بھائی کو پکارتی جاتی ہے۔پھر تھک کر کہیں گر پڑتی ہے اور جسے راہ گیر اٹھا کر گھر پہنچا جاتے تھے۔یہ اس دلہن کی محبت کی گواہ ہے جس کے ہاتھ کی مہندی ابھی پھیکی نہیں پڑی تھی اور جو پانچ ماہ بعد اپنے بچے کے پیدا ہونے کے بعد انیس سال کی ہوئی تھی۔ ان سب کی محبت میں کوئی کمی نہ تھی۔ان میں سے ہر محبت نے اپنے محبوب کا دامن پکڑا تھا۔لیکن وہ کسی ایسی محبت کا اسیر تھا جس نے اسے ایک آواز دی اور وہ آنکھیں بند کیے اس کے پیچھے چل پڑا۔ماں کی محبت سے ، بہن کی چاہت سے، محبوبہ کی الفت، جوانی کی امنگوں سے دامن چھڑا لیا۔دوسرے کے بچے کا خیال کیا اپنے ہونے والے بچے کے ان دیکھے، ننھے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔کیسی محبت تھی یہ؟ کون تھی؟ کیا تھی؟ کہتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے۔یہ کیسی محبت تھی جس نے اپنی چکا چوند سے اپنے محبوب

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کو اتنا اندھا کر دیا کہ وہ اپنی ساری محبتوں کو چھوڑ کر اس کے ساتھ کبھی نہ واپس آنے کے لیے چل پڑا؟

کہانی خاموش ہو جاتی ہے اور گم صم اپنے کرداروں کو دیکھنے لگتی ہے۔اس کے کردار جیتے ہیں ، مرتے ہیں ، کچھ جیتے جی مر جاتے ہیں لیکن کوئی کردار ایسا بھی ہوتا ہے جو امر ہو جاتا ہے۔لازوال ، لافانی کردار ، کہانی حیران ہے۔وہ آگے بڑھ کر اس کا دامن پکڑتی ہے۔

کیوں ؟ وہ نم آنکھوں سے پوچھتی ہے۔

وہ پلٹ کر دامن چھڑاتا ہے اور مسکرا کر کہتا ہے:

کیا کروں ، میں ہیرو بنے بغیر نہیں رہ سکتا۔

☆...☆...☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

داستان محبت

پس لفظ

سارہ قیوم

یہ فیصل کی کہانی ہے۔اس کہانی میں نہ ڈرامائی موڑ ہیں، نہ سازشیں، نہ ہی کوئی ولن ہے۔بس ایک ہنستا کھیلتا زندگی سے بھرپور ہیرو ہے اور محبت کے رنگ ہیں۔

فیصل سے میری پہلی ملاقات تب ہوئی تھی جب وہ آٹھ سال کا تھا اور اپنی سرخ رنگ کی سائیکل پر سکول آیا جایا کرتا تھا۔زونیرہ کالج میں میری دوست تھی۔فیصل اس کا چھوٹا بھائی تھا اور آپ تو جانتے ہی ہیں کہ دوستوں کے چھوٹے بہن بھائی اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی طرح پیارے ہوتے ہیں۔جب کبھی میں زونیرہ کے گھر جاتی تو میرا پہلا کام اسے Math پڑھانا ہوتا جو وہ رشوت لیے بغیر کبھی نہ پڑھتا۔ہم اس سے کبھی چپس اور بوتلیں منگواتے کبھی ویڈیو فلمز اور وہ اپنی عزیز سرخ سائیکل پر ہمارے کاموں کے لیے بھاگتا پھرتا۔میں وہ آپا تھی جو زونیرہ کی طرح اسے اپنا بیٹا کہتی تھی۔زونیرہ کی شادی پر اس نے میرے ساتھ رقص کیا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کیوں کہ باقی تمام لڑکیوں سے اسے شرم آتی تھی۔میرے بچوں کے لیے وہ فیصل ماموں تھا جس کی پی ایم اے سے بھیجی گئی تصویریں وہ بڑے شوق سے دیکھتے تھے۔ثنا سے شادی اس نے بہت ضد سے کی۔شادی پر وہ بہت خوش تھا۔ثنا بے حد حسین لگ رہی تھی۔میں نے اسے اتنا حسین لگتے دو موقعوں پر دیکھا۔ایک جب وہ دلہن بنی، دوسرا جب وہ بیوہ ہوئی۔سن رکھا تھا کہ دولہنا پے کے روپ کی طرح بیوگی کا بھی روپ ہوتا ہے۔ثنا کو دیکھ کر یقین آگیا۔جب اسے نیم بے ہوش حالت میں فیصل کے جنازے کے پاس بٹھایا گیا تو اس پر اسقدر روپ تھا کہ نظر نہ ہٹتی تھی۔

فیصل کی شہادت کے چار مہینے بعد اس کے گھر بیٹی پیدا ہوئی۔جب ثنا کو لیبر روم لے جایا رہا تھا تو اس نے چپکے سے ڈاکٹر کا ہاتھ پکڑ لیا۔وہ مجھے لینے آئے گا اس نے سرگوشی میں کہا۔

کون؟ ڈاکٹر نے حیران ہوکر پوچھا۔" فیصل" ثنا نے بچوں کی سی ایکسائٹمنٹ سے کہا۔

ڈاکٹر نے شفقت سے اس کا ہاتھ تھپکا فکر مت کرو۔ایسا کچھ نہیں ہو گا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نہیں۔وہ آئے گا ثنا نے اصرار کیا اس نے وعدہ کیا تھا کہ مجھ سے کبھی جدا نہیں ہو گا۔میری آپ سے التجا ہے کہ جب ایسا ہو، تو مجھے روکیے گا مت، جانے دیجئے گا۔

ڈاکٹر نے اپنے آنسو چھپانے کے لیے منہ پھیر لیا۔

فیصل ثنا کو لینے نہیں آیا۔بیوگی کے چار مہینے ثنا نے جس آس کے سہارے گزارے تھے۔وہ ٹوٹ گئی۔آج جب میں یہ سطور لکھ رہی ہوں تو میرے پاس وہ الفاظ نہیں جو میں ثنا کا غم، اس کا کرب بیان کرنے کے لیے لکھ سکوں۔کیا آنسو وہ لفظ ہے جو اس درد کو بیان کرے جو اس کی آنکھوں سے ٹپکتا تھا؟ کیا حزن اس کیفیت کے نام کے لیے کافی ہے جو اس کے چہرے پر رقم تھی؟ کیا وہ کپکپاہٹ تھی جو اس کے ہاتھوں میں تھی؟ کیا وہ چیخیں تھیں جو اس کے سینے میں گھٹ رہی تھیں؟ یہ تمام الفاظ بہت چھوٹے ہیں، بہت کم ہیں۔

بچپن میں فیصل کی کلاس میں ایک لڑکی پڑھتی تھی جسے وہ چپکے چپکے بہت پسند کرتا تھا۔ہنی مون پر اس نے ثنا کو اس کے بارے میں بتایا بڑی پیاری تھی عائلہ فیصل نے معصومیت سے ثنا کو بتایا اگر تم مجھے نہ ملتیں تو میں کسی طرح عائلہ کو ڈھونڈ ڈھانڈ کے اسی سے شادی کرتا۔اس وقت ثنا اس سے خفا ہوگئی۔ بھلا ہنی مون پر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بھی کوئی اپنے بچپن کی محبت کا ذکر کرتا ہے؟ لیکن جب فیصل کی بیٹی اس کی گود میں آئی تو اس نے اس کا نام عائلہ رکھا۔

آج عائلہ دس سال کی ہے۔ہوبہو فیصل کی تصویر۔وہی صورت، وہی دراز قد، ویسی ہی سبز آنکھیں اور وہی ان میں ناچتی شرارت۔ثنا آج بھی اتنی ہی حسین ہے، صرف اس کی آنکھوں میں جوت نہیں ہلو کرتی تھی۔عادل نے آج بھی شادی نہیں کی۔زونیرہ آج بھی بے اولا دہے۔وہ فیصل کو اپنا بیٹا کہتی تھی۔فیصل کے بعد وہ اس رشتے سے اس قدر ڈر گئی کہ کسی کے ننھے ہاتھوں میں اپنا دل اور اپنے ہاتھ نہ دے سکی۔یہ ہاتھ جب ہاتھوں سے چُھٹ جاتے ہیں تو کہیں کا نہیں چھوڑتے۔

فیصل کے کمرے میں اس کی ایک بڑی سی تصویر لگی ہے۔ اس کے خوبصورت چہرے کا کلوز اپ اس کی سبز آنکھیں مسکرا رہی ہیں۔باتیں کرتے کرتے جب ثنا کی نظر اس تصویر پر پڑتی ہے تو خاموش ہوجاتی ہے۔کیا کہہ رہی تھی، بھول جاتی ہے اور فیصل کی تصویر کو دیکھنے لگتی ہے۔اس کی آنکھوں میں کوئی جگنو سا چمکتا ہے، اور وہ نظریں جھکا لیتی ہے اور اگر کبھی وہ نظریں اٹھالے تو ان آنکھوں میں دیکھنے کی تاب میں خود میں نہیں پاتی۔وہ آنکھیں مجھ سے سوال کرتی ہیں میرے محبوب

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

نے تمہارے لیے جان دی۔ تاکہ تمہارے سہاگ سلامت رہیں اور تمہارے بچے کسی غم کی آگ میں نہ جھلسیں۔ تم نے اس کے صلے میں کیا کیا؟

میرے پیارے فیصل، میرے بیٹے، یہ کہانی تمہاری خوب صورت یاد کو زندہ کرنے کی ایک چھوٹی سی کوشش ہے۔ نہ میں تمہارے عظیم کردار کا احاطہ کر سکی۔ نہ تمہاری بے مثال قربانی کا۔ مگر وہ جو ایک پہاڑ سا قرض تمہارے ایثار کا مجھ پر واجب تھا، اس کا ایک چھوٹا سا حصہ اس کہانی کی صورت میں نے ادا کر دیا۔

☆...☆...☆

ختم شُد